ستونتی

مضمون حضرت علامہ راشد الخیری علیہ رحمۃ اللہ

سے

رازق الخیری ایڈیٹر عصمت و بنات نے

عصمت بک ایجنسی دہلی سے شائع کیا

اکتوبر ۱۹۳۸

چھٹی مرتبہ

قیمت سات آنے

مصورِ غم حضرت علامہ راشد الخیری علیہ الرحمۃ کی تصانیف

کتاب	قیمت	کتاب	قیمت	کتاب	قیمت
آمنہ کا لال	عہ	انگوٹھی کا راز	۶ر	نالۂ زار	۱۲ر
سیدہ کا لال	عہ ۱۲ر	تفسیر عصمت	۵ر	سبز بکری کا آخری دن	۴ر
الزہرا	عہ	منظر طرابلس	۵ر	سیاحت ہند	عہ
عروس کربلا	عہ ۴ر	منازل ترقی	۴ر	گردابِ حیات	عہ
وداع خاتون	۵ر	سیلاب اشک (با تصویر)	عہ	دادا لال بھجگڑ	۸ر
شام زندگی	عہ	جوہر عصمت	عہ ۸ر	احکام نسواں	۳ر
صبح زندگی	عہ ۸ر	نانی عشو	۱۰ر	محسن حقیقی	۶ر
شب زندگی دو حصے	عہ	طوفانِ اشک	عہ	مسلی ہوئی پتیاں	۶ر
نوحۂ زندگی	۱۲ر	سودائے نقد	۵ر	داستانِ پارینہ	۱۲ر
محبوبۂ خداوند	۱۲ر	ولائتی نخی	۶ر	دعائیں	۸ر
نسوانی زندگی	۸ر	بنت الوقت	۸ر	چمنستانِ مغرب	عہ
طوفان حیات	عہ	منازل السائرہ دو حصے	عہ	بلبل بیمار	۱۰
حیات صالحہ	عہ	بچہ کا گرتہ	۴ر	یادگار تمدن	۶ر
تمغۂ شیطانی	۱۲ر	امین کا دم واپسیں	۴ر	دلی کی آخری بہار	عہ
جوہر قدامت	عہ ۴ر	شہنشاہ کا فیصلہ	۴ر	حور اور انسان	۱۲ر
یاسمین شام	عہ ۴ر	فسانۂ سعید	۸ر	نشیب و فراز	۴ر
مؤودہ	۷ر	گڑیا کی سرگذشت	۴ر	مسلمان عورت کے حقوق	۱۲
غدر کی ماری شہزادیاں	۱۲ر	چہار عالم	۴ر	ساجن موہنی	۴ر
ستونتی	۷ر	شہید مغرب	عہ	خدائی راج اور دوسرے افسانے	عہ
قلب حزیں	۸ر	سراب مغرب	۸ر	زیور اسلام	عہ
وداع ظفر (با تصویر)	عہ ۸ر	دُرِ شہوار	۸ر	شادی کا انتخاب	۸
تیغ کمال	عہ	ستاروں کے اعمالنامے	۸ر	عالم نسواں	۸
بساطِ حیات	۶ر	قرآنی قصے	عہ	فریب ہستی	۶
گلدستۂ عید	۸ر	عروس مشرق	۱۰ر	بکھری ہوئی پتیاں	عہ ۶
گرفتارِ قفس	۴ر	بزم رفتگاں (با تصویر)	۱۰ر	محصول ڈاک بذمہ خریدار	
رودادِ قفس	۱۰ر	گدڑی میں لال	عہ		

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بڈھے ٹھڈوں، پرانے ڈھرانوں، دقیانوسی قُل آعوذیوں، گٹے بازوں اور لمبی ڈاڑھیوں کی تضحیک افضال کی صحبت کا ایک دلچسپ مشغلہ تھا۔ اتوار کی رات کو اول تو وہ خود ہی ورنہ اس کا کوئی اور دوست، سبز عمامہ باندھ، ڈھیلا چغہ پہن کر، اور مصنوعی ڈاڑھی لگا کر درویش، مولوی، عالم کا بھیس بھرتا۔ کبھی وعظ کی ہنسی اُڑتی، کبھی چندہ کا مضحکہ ہوتا۔ کوئی "اسلام! اسلام" کہہ کر سینہ کوبی کرتا اور کوئی دردِ قوم کا بیمار بن کر اس طرح پیٹ پکڑے پکڑے پھرے پھرتا کہ ہنسی کے مارے سب کے پیٹ میں بل پڑ جاتے۔ غرض رات کا بڑا حصہ اسی ہُو ہو ہاہا میں بسر ہوتا۔ خوش قسمتی سے مسجد کا ایک پیش امام دس روپیہ ماہوار پر اُن کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ جو مہینہ میں چار مرتبہ اپنی شرکت سے ان کی صحبت گرم کر دیتا اور ان کا تختۂ مشق بن جاتا۔

افضال گھر سے خوش حال تھا۔ بیرسٹر اور معزز عہدہ دار تھا۔ اس لئے احباب کے علاوہ کچھ خوشامدی بھی اُس کے اِن سانگوں کا کلمہ پڑھتے تھے۔ شام کے وقت جب اُس کی دوسری بیوی حارثہ موسیقی کے پھول مجلس میں بکھیرتی تو مجمع معطر ہوتا۔ تفریح کے مختلف عنوان ہوتے۔ پردہ کا خاکہ اُڑتا، قدرت پر لعن طعن ہوتی، نماز کی نقل اُترتی، روزہ کی تصویر بنتی۔

المختصر افضال کا دل وہ دل تھا جس میں رنج و فکر کا بھول کر بھی گذر مشکل تھا۔ اس کی پہلی بیوی منوّر تھی تو اسی کوٹھی کے ایک حصہ میں، مگر وہ کیا تھی کیسی تھی اور کس طرح رہتی تھی اس کا جواب صرف یہ ہے کہ افضال کو بیرسٹری کے بعد اس کی موجودگی میں دوسرا نکاح

کرنا پڑا۔ کیوں کیا؟ اس کا جواب اس کے سوا کیا ہوگا کہ افضال کو منو مطمئن نہ کر سکی۔ فریقین میں ملزم کون ہے اور کس حد تک ہے اس کا جواب واقعات دیں گے۔

حارثہ تعلیم یافتہ تو ہندوستان ہی کی تھی مگر کوارپتے میں باپ کے ساتھ یورپ کی دو تین مرتبہ سیر کر چکی تھی وہ شاید دوسری بیوی بننا گوارا نہ کرتی لیکن افضال کے وعدوں نے بھی۔ حالات نے بھی اور واقعات نے بھی اس کو یقین دلایا تھا، کہ منوسر کا عدم وجود برابر ہے اور افضال کا اور اس کا واسطہ برائے نام ہے۔ حارثہ کے سامنے بیوی ہونے کا خیال تو درکنار اس کا وہم بھی اس کے دل میں نہیں آسکتا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ہو رہا بھی تھا اور ہونا چاہیے بھی تھا۔ منوسر یا اس کے گھر میں کوئی چیز ایسی نہ تھی جو افضال کو اپنی طرف کھینچ سکے۔ اس کے پاس اور اس کے آس پاس کشش کا کوئی مادہ تھا ہی نہیں۔ بلکہ ہر شے بجائے محبت کے سبب تنفر تھی۔ وہ تمام معاشرت جس کا افضال دشمن تھا منوسر کے ہاں موجود تھی، وہاں ایک خوشنما غلاف میں ہارمونیم یہاں قند کے جزدان میں کلام مجید! وہاں اچھی سے اچھی میز اور بہتر سے بہتر میز پوش یہاں خوبصورت سے خوبصورت چیز نماز کی چوکی اور جانماز! وہاں موتیوں کی لڑی گلے میں، یہاں تسبیح کے دانے ہاتھ میں! وہاں دن رات میں چار پانچ مرتبہ کھانا اور چا، یہاں ہر جمعرات کا روزہ! وہاں زکوٰۃ گناہ اور خیرات حرام، یہاں ہر کھانے میں مسجد کے ملا اور خانقاہ کے طالب علم کا حصہ ضروری اور لازمی! غرض اجتماع ضدین اور بعد المشرقین تھا کہ افضال دن تھا تو منوسر رات۔ وہ سفید تھا تو یہ سیاہ۔ اور وہ مغرب تھا تو یہ مشرق! لیکن اس اختلاف و تنفر اور رنجش و تکدر میں ایک عیب یا ہنر منوسر اپنی گھٹی میں ساتھ لائی جو اگر غلاظت تھا تو اس کی چھینٹیں اور جوہر تھا تو اس کی کرنیں تمام گھر پر پڑ رہی تھیں، اس کا نام طاعت شوہر تھا۔ اور اس حال میں بھی کہ کامیابی ہر سمت سے

مسڑوود اور خود مردود ہوچکی تھی وہ اس کوشش میں ہمیشہ منہمک رہتی کہ افضال کو خوش کرسکے۔

افضال اگر کبھی بھولے بسرے تیسرے چوتھے مہینہ کھڑے کھڑے اس کے ہاں نکل بھی جاتا تو وہ کھڑی ہوجاتی۔ بھیڑ کی لات گھٹنوں تک، گرمی ہوتی تو پنکھا جھلنے لگتی اور جاڑا ہوتا تو انگیٹھی دہکا دیتی۔ افضال اس کو بھی لغویت پر محمول کرتا اس کو منوّر کی ادائیں ایک آنکھ نہ بھاتیں۔ مگر وہ چاہتا یہ ضرور تھا کہ منوّر پردہ کی لغویت پر لعنت بھیجے، اس کی بزم طرب میں شریک ہو، ان دقیانوسی جھگڑوں اور قدیمی بیہودگیوں کو سلام کر اطمینان سے زندگی کا لطف اٹھا، گائے، ناچے کھائے پیے، اُچھلے، کودے!

منوّر اکثر اعتبار سے خوش تھی اور اس حالت میں بھی وہ خدا اور افضال دونوں کی شکر گذار تھی۔ لیکن وہ اپنی زندگی میں جس کمی کو محسوس کر رہی تھی، وہ رضامندیٔ شوہر تھی، اور غریب سے جو کچھ ہوسکتا اس کے خوش کرنے کو کرتی تھی۔ ساڑی اس نے باندھی۔ آڑی مانگ اس نے نکالی، جوڑا اس نے باندھا، پاؤڈر ملا، ہیزلین ملی، مہندی چھوڑی، مسی چھوڑی، سرمہ چھوڑا، کاجل چھوڑا، حد یہ ہے کہ جمعرات کا روزہ چھوڑا۔ لیکن دلّی دور ہی نظر آئی اور افضال کا دل نہ پسیجا!

(۲)

ملیریا کے موسم میں منوّر بھی بخار کی لپیٹ میں آئی اور کچھ ایسا بخار چڑھا کہ تین چار روز تک جنبش نہ کھائی۔ شاید چوتھا یا پانچواں روز تھا افضال اس کو دیکھنے گیا، تھوڑی دیر بیٹھا۔ اس کی تسلی اور تشفی کی اور یہ کہہ کر چلا کہ "میں ابھی ڈاکٹر کے ہاں سے دوا منگواتا ہوں" ایسے موقعہ پر کہ منوّر کی زندگی کی تمام توقعات جس ذات سے وابستہ تھیں وہ اس کے سامنے تھی، منوّر کا دل بھر آیا۔ افضال کے پہلے ہی تسکین آمیز کلمہ پر اس کی آنکھ سے آنسو نکل پڑے روتی ہوئی اٹھ بیٹھی اور دروازہ میں جا کر اُس کا ہاتھ پکڑ لیا۔ افضال نے پھر تسکین دی اور کہا۔

"گھبرانے کی بات نہیں ہے۔ بخار کے دن ہو رہے ہیں۔ میں ابھی دوا منگاتا ہوں۔ کل تک بخار اتر جائے گا"

افضال کا یہ فقرہ قلبِ مجروح پر ایسا نشتر تھا جس نے منوّر کو آپے سے باہر کر دیا جو ہاتھ اُس کے ہاتھ میں تھا اُسے اُٹھا کر اپنے سر پر رکھ لیا اور کہنے لگی:۔

"مجھے بخار یا موت کا ڈر نہیں صدمہ یہ ہے کہ میں تم کو خوش نہ رکھ سکی"

یہ آخری الفاظ منوّر نے رُک رُک کر کہے۔ بخار تیز تھا۔ مگر احساس فرض اور جوشِ محبت نے ایک خاص قسم کی توانائی جسم میں پیدا کر دی۔ منوّر کی اس التجا پر افضال کا دل نرم آ گیا۔ اس نے بیمار بیوی کو ایک خاص نظر سے دیکھا اور کہا:۔

"بیشک میں تم سے خوش نہیں ہوں۔ مگر خوش ہو سکتا ہوں۔ تم خود اپنی زندگی برباد کر رہی ہو۔ مذہب کے جھگڑے نے تم کو تاراج کر دیا۔ تمہاری جہالت اس حد تک پہنچ گئی ہے کہ تم میرے واسطے نہیں اپنے واسطے سوہانِ روح ہو۔ بیماری کی ذمہ دار تم خود ہو۔ اگر ہوا خوری کو نکلتیں، تازہ ہوا کھاتیں اور بجائے ہر وقت تسبیح پھیرنے اور جانماز پر ٹکریں مارنے کے سیر و تفریح میں شریک ہوتیں تو بخار کا حملہ قطعاً نہ ہوتا۔ میں اب بھی تم کو ہر طرح کی مدد دینے کے واسطے تیار ہوں اگر تم اپنی اصلاح پر آمادہ ہو جاؤ۔ ان فضولیات سے باز آؤ۔ پردہ کو قطعی آگ لگا دو۔ اور عذاب و ثواب کے مسئلہ کو پھونک دو۔ میں پہلے بھی تم سے کہہ چکا ہوں اور اس وقت بھی کہتا ہوں کہ تمہارے ہی عقیدہ کے موافق تمہارے ہی خدا اور تمہارے رسول کا فیصلہ ہے کہ شوہر خدائے مجازی ہے پھر کیا وجہ ہے کہ تم میرے حکم کی تعمیل سے انحراف کرتی ہو؟ میں نے پہلے بھی تم سے بارہا کہا اور اس وقت بھی کہتا ہوں کہ تم جس چیز کو عذاب سمجھتی ہو اگر وہ واقعی عذاب ہے تو اس کو میری گردن پر ڈال دو اور حاملہ کی طرح میرے ساتھ زندگی بسر کرو۔"

شدت حرارت نے منوہر کے دماغ کو تہ و بالا کر رکھا تھا۔ اُس نے معاملہ کے ہر پہلو پر نظر دوڑائی افضال اس کے سامنے کھڑا تھا اور اس وقت اس کی تمام کوششیں صرف اس خیال میں محدود تھیں کہ یہ صورت چند لمحہ میرے سامنے اور رہے اور اوجھل ہو تو اس طرح کہ میں اپنے کرب و اضطراب میں اس پُر لطف خیال کو ساتھ لے کر سوؤں کہ افضال مجھ سے خوش ہے۔ اس نے افضال کے ہاتھ کو پھر بوسہ دیا اور کہا:۔

"میں ہر طرح حاضر ہوں، روزے تو میں نے چھوڑ دیئے"

ان الفاظ کے ادا کرنے میں کہ "روزے تو میں نے چھوڑ دیئے" ایک خاص طاقت نے اندر ہی اندر اس کے کلیجے پر برچھی ماری۔ اس نے محسوس کیا کہ میں جو کچھ کہہ رہی ہوں وہ واقعیت کے اعتبار سے صحیح ہے مگر ایک مسلمان عورت کی زبان سے ان کی ادائیگی صحیح نہیں معلوم ہوتی۔ یہ چیز بہت تھوڑی دیر تک باقی رہی افضال چلا گیا، منوہر گرتی پڑتی آئی، آکر لیٹی تو وہ اس خیال سے خوش تھی کہ افضال میرے پاس سے خوش گیا۔

(۳)

افضال کی سالگرہ کا جلسہ نہایت دھوم دھام سے منایا جاتا تھا مسلمان رؤسا کے علاوہ انگریز اور ہندو بھی شریک ہوتے تھے۔ مگر یہ سب اس کے ہم مذاق و ہم خیال تھے یعنی وہ لوگ جن کو روحانیت سے قطعاً واسطہ نہ تھا اور جو زندگی کا مقصد صرف زندگی کو بخوشی و خرمی گذار دینا سمجھتے تھے۔ آج افضال منزل میں اس جلسہ کی تیاریاں ہو رہی تھیں اور کوشش کی جا رہی تھی کہ رات کے کھانے پر دنیا کی تمام نعمتیں موجود ہوں میز کسی قسم کی شراب یا طعام سے محروم نہ ہو موسم چونکہ سرد تھا اس لئے مہمان شام ہی سے آنے شروع ہو گئے۔ بڑا کمرہ بجلی کی روشنی سے بقعۂ نور بنا ہوا تھا کہ دفعتاً افضال کو منوہر کا خیال آیا ہم کو قطعاً یہ حق نہیں کہ ہم افضال کی نیت پر حملہ کریں

اور یہ کہیں کہ اُس نے منوہر کے شریک کرنے کی کوشش محض اس واسطے کی کہ اپنے مہمانوں کی خاطر مدارات اور تفریح میں اضافہ کرے اس کی نیت جو کچھ ہو وہ جانے اور اس کا خدا جانے ، مگر عقلِ سلیم افضال کے اس فعل کو وقعت سے نہیں دیکھ سکتی بہرحال یہ علیحدہ سوال ہے بحث صرف نفس معاملہ اور حالات سے ہے اور وہ یہ ہے کہ افضال جلدی میں سٹ پٹایا ہوا منوہر کے پاس پہنچا اور کہا۔

"آج میری سالگرہ کا جلسہ ہے میرے تمام احباب جمع ہیں۔ حارثہ نہایت گرم جوشی سے ان مہمانوں کا استقبال کر رہی ہے تم اگر کچھ اور نہیں کر سکتیں تو دعوت میں شریک ہو کر اگر اور کسی پہ نہیں تو کم از کم مجھ ہی پر ثابت کر دو کہ میری زندگی تم کو کس قدر عزیز ہے ، میں پھر کہتا ہوں کہ اگر تم کو کھانے پینے میں کوئی چیز ناگوار ہو یا گناہ سمجھو تو اس کا بار میری گردن پر ہو گا۔ تم سے کوئی واسطہ نہیں"؛

منوہر کے سامنے اس وقت دو متضاد چیزیں تھیں ۔ وہ گفتگو کا پہلا حصہ سن کر اس لئے کہ افضال کو خوش کرنے کا ایک سامان پیدا ہوا خوشی سے اچھل پڑی اور فوراً ہی اُس کے دل نے فیصلہ کر لیا کہ میں ضرور شریک ہوں گی۔ مگر ساتھ ہی جب یہ خیال آیا کہ غیر مردوں کے پاس بیٹھنا پڑے گا۔ اس کی خوشی کچھ بجھ سی گئی۔ عذاب و ثواب کا مسئلہ سن کر اس کا ذہن فوراً شراب کی طرف منتقل ہوا اور تمام توقعات ناکامی سے بدل گئیں۔ پھر بھی افضال کے خوش کرنے کی یا اس کے حکم کی تعمیل کرنے کی خواہش اس قدر غالب تھی کہ اس نے اپنی آمادگی ظاہر کر دی۔ افضال بھی یہ دیکھ کر اور سن کر خاموش ہو گیا اس کے چہرہ پر مسکراہٹ آئی اور یہ کہہ کر چلا گیا کہ "تم کپڑے بدل کر فوراً آؤ۔ مگر خدا کے لئے یہ ڈھیلے پائنچوں کا پاجامہ اور کرتہ پہن کر نہ آجانا"؛

منوہر بیچاری کو وہی تین چار باتیں ساڑھی۔ آڑی مانگ ۔ پوڈر۔ ہیئر پین وغیرہ معلوم تھیں انہیں

سے آراستہ ہوکر جلدی جلدی پہنچ گئی۔ مگر دروازہ میں پہنچتے ہی جب اس نے غیر مردوں کی آواز سُنی تو حیا زنجیر بن کر اُس کے قدموں میں گری اور اُس کو باہر نکلنا قسم ہوگیا۔ حارثہ اس کی کیفیت دیکھ کر ہنستی ہوئی آگے بڑھی اور افضال کو اشارہ کیا اور اس طرح دونوں میاں بیوی منوس کے استقبال کو دروازہ تک آئے۔

ہم نے افضال کی نیت پر حملہ نہیں کیا۔ لیکن اس کے یہ معنی نہیں ہیں کہ ہم حارثہ کی نیت کو بھی پاک وصاف سمجھیں۔ وہ اُس غیرت نسوانی سے جس کا خون اس وقت منوس کے جسم میں دوڑ رہا تھا قطعاً نا آشنا تھی۔ وہ مذاق کے قدموں سے آگے بڑھی اور اس کے استقبال میں منوس کی توہین کے سوا اور کوئی جذبہ پاکیزہ نہ تھا منوس جھجک رہی تھی۔ افضال اس کا ہاتھ پکڑ کر لایا وہ سمٹتی ہوئی سکڑتی ہوئی دبی ہوئی نیچی نظروں سے کرسی پر آکر بیٹھ گئی۔ مگر اس پر خاص حالت طاری تھی جس کا اندازہ آسانی سے نہیں ہوسکتا غیر مرد اس کو بے باکانہ گھور رہے تھے۔ وہ زمین میں گڑی جاتی تھی۔ اس کا بدن پسینہ پسینہ ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اس کی آواز کھنچ رہی تھی۔ اس کا گلا گھٹ رہا تھا اس سردی میں کہ چاروں طرف سے انگیٹھیاں روشن تھیں۔ منوس کی پیشانی پر پسینہ کے قطرے موجود تھے اور اس کا تمام جسم تھر تھرا رہا تھا۔ قہقہوں نے اس کی حالت اور بھی ردی کی اور اس کے دل نے یہ فیصلہ کیا کہ کاش زمین شق ہو اور میں سما جاؤں ابھی میز پر کھانا نہ آیا تھا۔ شرابیں اڑ رہی تھیں۔ مردانہ شراب الگ تھی اور زنانہ الگ کہ افضال خود اپنی کرسی سے اٹھا۔ اس نے اپنے ہاتھ سے بوتل کھولی۔ گلاس بھر کر منوس کے سامنے رکھا اور عذاب ثواب کے الفاظ پھر دوہرائے۔ منوس کی حالت اس وقت کیا تھی ہمارے پاس الفاظ نہیں۔ وہ عجیب مصیبت اور خلجان میں تھی کبھی موت کی متمنی تھی کبھی چپکے سے بھاگ جانے کی آرزومند۔ شراب کا خیال آتے ہی اس کے قلب و دماغ پر استعمال سے قبل ہی پورا اثر ہوگیا اس کو چکر آنے لگے اور تمام

جسم میں رعشہ سا پیدا ہو گیا۔ افضال نے مسئلہ عذاب و ثواب پھر دوہرایا اور اس مرتبہ اتنا اضافہ اور کیا کہ "اگر تم ہم سب کی توہین جائز سمجھتی ہو تو اس کے بعد میری صورت نہ دیکھو گی"

یہ فقرہ سنتے ہی منور نے گلاس پینے کے واسطے اٹھایا اور چاہتی تھی کہ منہ سے لگائے کہ دل نے کروٹ لی اور صدا دی کہ اس زندگی سے موت بہتر ہے۔ اس نے گلاس میز پر رکھدیا۔ افضال کے وہی الفاظ پھر اس کے کان میں پہنچے۔ اس مرتبہ وہ گلاس اُٹھا کر منہ سے قریب لے گئی مگر پھر ضمیر کی خوبصورت دیوی نے اس کا ہاتھ پکڑا اور گلاس میز پر رکھوایا۔ تیسری مرتبہ پھر وہی الفاظ منور کے کان میں گونجے۔ اب گلاس منور کے ہونٹوں سے لگا ہوا تھا اور اس کے ساتھ ہی ایمان کے خوشنما پھول اس کے دماغ کو معطر کر رہے تھے۔ وہ کپکپا گئی۔ اس نے گلاس نیچے رکھ دیا۔ لاحول پڑھی اور کھڑی ہو گئی۔ خوف دہشت اور شرم و ندامت نے اس کو پسینہ میں شرابور کر رکھا تھا۔ مگر اس وقت نہ معلوم اس کے جسم میں کیا طاقت تھی کہ وہ بھاگی دروازہ میں داخل ہوئی اور ایسی غائب ہوئی کہ پھر اس کا پتہ نہ چلا۔

کھانے سے فراغت پانے کے بعد افضال، حامد اللہ نوکر چاکر سب نے مل کر نہ صرف کوٹھی بلکہ شہر کا چپہ چپہ اور کونہ کونہ ڈھونڈ ڈالا۔ مگر منور کی صورت نظر نہ آئی۔

(۴)

متواتر تین چار روز تک خود افضال اور اس کے آدمیوں نے نیز پولس نے چاروں طرف منور کو تلاش کیا مگر خدا معلوم آسمان کھا گیا یا زمین۔ ایک ہفتہ اسی طرح گذر گیا۔ نواں یا دسواں روز تھا کہ ایک جھاڑی میں سے ایک عورت کی برہنہ لاش اسی طرح برآمد ہوئی کہ جسم پر کھال مطلق نہ تھی البتہ پاؤں کا کچھ حصہ ثابت تھا لاش پہچانی نہ جاتی تھی مگر گمان غالب تھا کہ وہ بدبخت منور تھی جس کو جنگل کے جانوروں نے تنہا پا کر مارا اور کھا گئے۔ افضال پر بدنصیب

بیوی کی اس طرح رحلت کا کوئی خاص اثر نہ ہوا۔ اس نے البتہ ایک وقت کھانا نہ کھایا اور جسم کا جو حصّہ ہاتھ آیا اس کو اسی طرح دفن کرکے نہ صرف قبر بنوادی بلکہ اس کے سرہانے پتھر لگوا کر یہ الفاظ لکھوا دیئے۔

حیا کی دیوی جو پردہ پر قربان ہوئی

۵

منوّر کی موت اگر معمولی رنج تھا تو اور صدمہ عظیم تھا، تو رفتہ رفتہ ختم ہوا۔ اور اب افضال کے گھر میں منوّر کا نام کیا آتا افضال کے دل سے بھی اس کا نام حرف غلط کی طرح مٹ گیا اور حارثہ کبھی کبھی مذاق کے طور پر اس کا ذکر چھیڑ لیتی۔ ایک سال اسی طرح بسر ہوا اب افضال کا آفتاب زندگی پورے شباب پر تھا اس کھلے ہوئے پھول کی طرح جس کو صیاد کا کھٹکا ہو نہ گلچین کا خوف۔ خزاں کا اندیشہ ہو نہ سموم کا ڈر افضال زندگی کے باغ میں اطمینان کامل سے جھول رہا تھا۔ منود کی موت نے بھی اس کو ٹس سے مس نہ کیا اور جو کچھ ہوا اس کو دیکھنے اور سمجھنے کے بعد بھی اس کی آنکھیں نہ کھلیں۔ اس کی صحبتیں بدستور گرم تھیں۔ وہی جلسے اور مذاق تھے وہی حارثہ اور احباب، وہی لطف اور وہی معاشرت کہ افضال کو اپنے بائیں ہاتھ کی چھنگلی میں غیر معمولی کھجلی کی شکایت ہوئی فوراً ڈاکٹر کو بلایا اس نے دوا دی ایک ہفتہ بعد یہ کھجلی تمام جسم میں پیدا ہوئی مشکل سے ایک مہینہ اس طرح گذرا ہوگا کہ خون میں خرابی کے آثار نمودار ہوئے۔ فساد خون کا یقین ہوتے ہی ڈاکٹر نے ہدایت کی کہ یوں تو گھر کے تمام نوکر مگر حارثہ افضال بالخصوص مریض سے علیحدہ رہیں چونکہ مرض متعدی اور کوڑھ یقینی ہے اس لئے اگر احتیاط نہ کی گئی تو حارثہ افضال یقیناً اور جو نوکر قریب رہیں گے وہ غالباً اسی مرض میں مبتلا ہو جائیں گے۔ چھ مہینے تک افضال کوٹھی کے ایک کمرہ میں لگ پڑا رہا۔ حارثہ

تھی تو اسی کوٹھی میں مگر کبھی آٹھویں دسویں روز پرچہ لکھ کر خیریت معلوم کر لیتی تھی اور وہ بھی اس طرح کہ پرچہ آدمی سے کر دور کھڑا ہو جاتا اور وہ پڑھ لیتی۔ مریض کی حالت روز بروز بگڑتی گئی۔ دنیا بھر کے ڈاکٹر جمع ہو گئے مگر فساد خون میں کمی نہ ہوئی جسم بالکل خراب ہو گیا چہرہ کی حالت ایسی تاراج ہوئی کہ خدا دشمن کو بھی نہ دکھائے۔ وہ پھول سا جسم جس کو شکن پڑا ہوا کا لرنا گوار تھا اب اس پر کوڑھ کا پورا تسلط تھا۔ ہاتھ پاؤں سوجھ کر کُپا ہو چکے تھے کئی جگہ زخم تھے اور ایک آدھ جگہ کیڑے بھی۔ طبیب حیران تھے کہ اس قسم کی کوڑھ کبھی سننے میں نہیں آئی بالآخر ڈاکٹروں کا متفقہ فیصلہ یہ ہوا کہ جس طرح سے ہو مریض کو شہر سے دور کوڑھی شفاخانہ میں پہنچا دیا جائے تاکہ دوسرے آدمی اس مرض میں مبتلا نہ ہوں۔

افضال خود بھی ڈپٹی کلکٹر تھا۔ اس فیصلہ نے اس کے چھکے چھڑوا دیئے۔ ہر چند کوشش کی مگر سول سرجن کے فیصلہ کے سامنے ایک پیش نہ گئی۔ پھر بھی افضال نے تعمیل سے انکار کر دیا۔ نوبت حاکم ضلع تک پہنچی ڈاکٹر کا بیان تھا کہ افضال کے کوڑھی پٹوں اور زخموں سے دو تین مرتبہ کیڑے نکلے اور اس حالت میں مریض کا حدود میونسپلٹی میں رہنا تمام شہر کو اس مرض کو مبتلا کرنا ہے۔ افضال کہتا تھا کہ کیڑوں کا ہونا قطعاً غلط ہے۔ معاملہ مجسٹریٹ تک گیا اور فیصلہ حادثہ کی شہادت پر ٹھیرا۔ کچھ زیادہ قسما قسمی یا حلف وغیرہ کی ضرورت نہ ہوئی پڑھے لکھے آدمی کا کانشنس سب سے بڑا حلف ہوتا ہے۔ ڈاکٹر نے مجسٹریٹ کے سامنے صرف اتنا ہی کہا تھا کہ "مسز افضال مجھے پورا یقین ہے کہ آپ کانشنس کو ہاتھ سے نہ دیں گی اور آپ کی زبان سے کوئی لفظ واقعات کے خلاف ادا نہ ہوگا"

اتنا سنتے ہی حادثہ یعنی مسز افضال نے فرما دیا کہ "مسٹر افضال جھوٹ تو نہیں بولا کرتے کیڑوں سے انکار غالباً ان کے دماغ کی خرابی ہے"

حارثہ کی شہادت جہاں اس وجہ سے تو تعجب انگیز نہیں رہتی کہ کانشنس والے جھوٹ بولنا قطعاً حرام سمجھتے ہیں۔ مگر اس وجہ سے تعجب انگیز ہو جاتی ہے کہ وہ تو دونوں پہلے مریض سے کوسوں دور تھی! شہادت پر فیصلہ اسی شخص کی ہوتا ہے جو ہوا سے بچ رہا تھا اور عینی شہادت وہ عورت دیتی ہے جو پرچہ بھی دور سے پڑھتی تھی اور نوکروں کو بھی حکم نہ تھا کہ مریض کے کمرہ سے نکل کر بغیر نہائے دھوئے پاس آجائیں۔ خیر ہم کو اس بحث کی ضرورت نہیں۔ ہاں صرف یہ کہنا ہے کہ اس شہادت کا نتیجہ یہی ہونا چاہئے تھا اور ہوا کہ آبادی سے ستر میل کے فاصلہ پر افضال کوڑھی ہسپتال میں بھیج دیا گیا جہاں صرف ایک سرکاری ملازم نگراں تھا۔

ڈاکٹر نے حارثہ کو یقین دلایا تھا کہ مریض کی زندگی ناممکن ہے اس لئے وہ شوہر کو ہسپتال کے گھاٹ اتار کر بے فکری کی زندگی بسر کرنے لگی۔ چند روز بعد جب ڈاکٹر کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ حالت ردی ہے تو حارثہ نے اس کو بالکل مردہ ہی سمجھ لیا اور تمام اسباب جائداد کی مالک بن بیٹھی۔

(۲)

افضال کی زندگی فریفتگان حیات کے واسطے درس عبرت تھی۔ اس کی بدبخت زندگی کے اس دور کا ہر لمحہ بتا رہا تھا کہ زندہ انسان کس طرح مجبور و لاچار ہو کر بے بس اور بے کس ہو جاتا ہے! جس کی لاکھوں روپیہ کی جائداد ہزاروں روپیہ نقد بیش بہا فرنیچر اور سونے چاندی کے موجود تھے۔ وہ شفاخانہ کے معمولی کپڑے پہنے لوہے کے ٹوٹے سے پلنگ پر پڑا ہوا تام چینی کے ایک بوسیدہ کٹورے میں دودھ پیتا تھا! اس نے بنک سے بھی روپیہ منگانے کی کوشش کی مگر نہ مل سکا شفاخانہ کا نوکر جو خاص اس کام کے لئے مامور تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ ہوا سمجھ کر دور سے بھاگتا تھا جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں اس ہسپتال میں جہاں آدمی نہ آدم زاد تن تنہا بسر ہوتیں ہچکیاں چلاتا روتا پیٹتا۔ مگر اپنی

ہی آواز بڑے کمرہ میں گونج کر کانوں میں واپس آجاتی۔ ملازم سے کئی مرتبہ خواہش کی کہ وہ رات کو یہیں سو جایا کرے لیکن وہ کس توقع پر سوتا اور کیوں سوتا۔ ڈاکٹر ہفتہ میں ایک دفعہ آتا اور بوتل میں ایک دوا بھر کر میز پر رکھ دیتا اور دو چار الٹی سیدھی باتیں دور سے کھڑے کھڑے ملا ملو چل دیتا۔ دن کو البتہ گھڑی آدھ گھڑی نوکر کی صورت اس طرح دکھائی دے جاتی کہ وہ الگ سے برتن میں دو وہ ڈال سیدھا ہو لیتا۔ افضال سوال کرتا۔ آوازیں دیتا مگر کس کا جواب۔ وہ پلٹ کر بات بھی نہ پوچھتا اور پھر شام کو صورت دکھاتا۔ تین مہینے اسی طرح گذر گئے اور اب حالت یہ ہو گئی کہ افضال میں چلنے پھرنے یا ملنے جلنے کی بھی طاقت نہ رہی ایک موقعہ پر جب اس کو زندگی کی کوئی امید نہ رہی تو یہ پرچہ لکھ کر اس ملازم کے ہاتھ حامد کو بھیجا:-

میں اس دنیا میں اب چند روز کا اور مہمان ہوں سانس پورے ہو رہے ہیں موت میں زیادہ دیر نہیں لیکن عمر کا یہ آخری حصہ ایسا بدتر گذرا کہ زندگی میں موت کا مزہ چکھا دیا۔ مجھے تم جیسی بیوی سے یہ امید نہ تھی کہ جیتے جی مردہ سمجھ لوگی اور ان آخری لمحوں میں جب تڑپ تڑپ کر ترس ترس کر اس دنیا سے رخصت ہوں گا۔ تو تمھاری لاپرواہی اور بے وفائی کا داغ اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ اگر تمھارے دل میں میری ذرہ بھر بھی وقعت ہوتی تو دور ہی سے میری شکل دیکھتیں اور اپنی دکھا دیتیں۔ مگر آہ! جس کو اپنا سمجھا وہ غیر نکلی اور جس کو زندگی کا رفیق خیال کیا وہ جان کی دشمن ثابت ہوئی۔ اس سے زیادہ ظلم کیا ہو گا کہ میں لاکھوں روپیہ کا مالک ہو کر ایک ایک پیسہ کو محتاج ہوں اور اس ملازم کو صرف اس لئے کہ یہ میری خدمت کر سکے کچھ دینا چاہتا ہوں اور نہیں دے سکتا! دنیا شاید ایسی عبرت انگیز مثال آئندہ پیش نہ کر سکے۔ میں نے اپنی تمام عمر خدا کی طاقت کو کبھی تسلیم نہیں کیا مگر اس وقت

میں نہیں جانتا کہ وہ کونسی چیز ہے، جو جیتے جی اس کے حضور میں جھکوا رہی ہے اور میں اس سے التجا کرتا ہوں کہ اے رحیم اپنے گنہگار بندے پر جس کا سر تجھ سے ہمیشہ اکڑا رہا ہے رحم کر اور آسمان سے کوئی فرشتہ بھیج کر جو خواہ فرشتہ رحمت ہو یا موت میری مصیبت کا خاتمہ کرے۔ حامد اللہ! تو میری زندگی کی شریک تھی مگر تو نے زندگی ہی میں دکھا دیا کہ دنیا کی محبت چار دن کی چاندنی ہے میں ناشاد نامراد دنیا سے جاتا ہوں مگر یہ کہہ دیتا ہوں کہ قیامت کے روز میرا ہاتھ اور تیرا گریبان ہوگا۔

ملازم یہ پرچہ اس توقع پر کہ حامد اللہ سے کچھ ملے گا روانہ ہوا اور دوسرے روز جب شام کو واپس آیا تو نہایت برافروختہ اور غصہ میں لال پیلا اس نے صرف اتنا کہا کہ "آپکا پرچہ انہوں نے پڑھا بھی نہیں۔ مجھ کو اندر آنے کی اجازت تک نہ دی اور آدمی کے ہاتھ کہلا بھیجا کہ "صاحب کو ہمارا سلام دو"

(۷)

برسات کی کالی بھنور راتیں اور جاڑوں کے چمکدار دن افضال کے سر پر آ اور جا رہی تھیں، لو کے گرم تھپیڑے ٹھنڈے ہوتے ہوتے برف بن گئے لیکن افضال کے مرض میں کوئی تغیر نہ ہوا۔ آفتاب طلوع ہوکر ڈھلتا اور غروب ہوتا۔ چاند برآمد ہوکر گہناتا اور ڈوب جاتا تارے چمکتے ٹوٹتے اور فنا ہوتے مگر افضال کی بیماری کا خاتمہ نہ موت کرتی نہ صحت۔ وہ اب تندرستی سے مایوس ہوکر بعض دفعہ سجدہ میں گرتا اور موت کی دعائیں مانگتا ہم کو بھی تعجب ہے کہ کس طرح افضال کا سر جس میں ہمیشہ خودی کا سودا سمایا رہا زندگی کے ایک ہی جھٹکے میں زمین پر گر پڑا لیکن حقیقت یہ ہے کہ افضال کا دور شباب اور دور شباب کی حرکات وقت کا ملمع تھیں جن کو حالات نے تقویت دی اور واقعات نے چمکا دیا ورنہ جہاں تک ہم کو معلوم ہے اس نے ایسی ماں کی گود میں پرورش پائی تھی جو

اپنے وقت میں زہد و اتقا کے اعتبار سے دور دور جواب نہ رکھتی تھی۔ وہ ایک ایسے باپ کا بیٹا تھا جس نے ایک دو نہیں پانچ حج کئے، ہماری آنکھوں نے افضال کو اسلام سے فرنٹ تعجب سے دیکھا اور اس کی باتیں ہمارے کانوں نے حیرت سے سنیں۔ مگر جب دماغ اُس کے جنتی ماں باپ کی تصویر سامنے لاکر کھڑا کر دیتا تھا تو دل بے ساختہ صدا دیتا تھا کہ ماں کا دودھ اور باپ کا خون کبھی نہ کبھی رنگ لائے گا۔ اور اسلام اسی افضال سے جو آج احکام کا مضحکہ اُڑا رہا ہے نکلے کے بل نکال دے گا۔ طبیعت میں وہ مادہ موجود تھا رگوں میں وہ خون دوڑ رہا تھا بیماری کی جنتری میں وہ بل نکل گئے۔ جو آنکھیں شرارت مخمور رہتی تھیں اب ان میں آنسو آگئے۔ وہی دماغ جو نئی نئی تضحیک کے پہلو سوچتا تھا اب خدا ئے برتر کے خوف سے تھر تھرانے لگا۔ یہ وہ وقت تھا کہ افضال پانی کے ایک ایک قطرہ کو ساری ساری رات تڑپتا رہا ٹھنڈے پانی کے واسطے دنوں تڑپتا لیکن ہر خواہش جو دل میں پیدا ہوتی بالکل ان ہی خود رو پھولوں کی طرح جو فضائے حیات میں چند لمحے کھل کر فنا ہو جاتے ہیں یا ان پروانوں کی طرح جو برسات میں پیدا ہو کر شمع پر قربان ہو جاتے ہیں بجھ کر فنا ہو جاتی۔ وہ اب ان مصائب سے اکتا گیا۔ یہ خبر تمام شہر میں مشہور ہو چکی تھی کہ افضال کے قریب جانا موت کے منہ میں جانا ہے اس لئے جان کسی کو دو بھر نہ تھی۔ نہ ہی حاجرہ کو افضال کی صحت کی امید نہ تھی اس لئے اس نے زندہ ہی شوہر کو مردہ یقین کر لیا۔

(۸)

افضال نے کئی دفعہ زندگی سے بیزار ہو کر خدا کے حضور میں اپنی موت کی دعا مانگی اور التجا کی کہ کسی طرح ان مصائب کا خاتمہ ہو۔ ایک شام کو اس نے اسی حالت میں مغرب کی نماز ادا کی اور بعد نماز روتا ہوا خدا کی درگاہ میں گرا۔ دل دکھا ہوا، کلیجہ بھنا ہوا، حالت گری ہوئی اور خود زندگی سے تنگ آیا

ہوا تھا۔ قلبِ مجروح کی صدا تیر بن کر زبان پر آئی اور عجز کا جامہ پہن کر ازلی اور ابدی طاقت کے سامنے پہنچی۔ کمرہ میں اندھیرا گھپ تھا روشنی دو چار گھنٹے کو برائے نام ہو جاتی تھی اور آج وہ بھی نہ تھی۔ سجدہ میں پڑا روتا رہا، بلکتا رہا تڑپتا رہا۔ اور گڑگڑاتا رہا۔ نقاہت پہلے ہی سے تھی خوفِ خدا نے تمام بدن کپکپا دیا، روتے روتے بے ہوش ہو گیا۔ بارہ بجے کے قریب آنکھ کھلی تو دروازہ میں آہٹ سنائی دی آسانی سے اُٹھنے کی طاقت نہ تھی، پوچھا دریافت کیا آواز دی۔ کمرہ میں روشنی نہ تھی مگر آدمی کی دھندلی سی صورت اور پوری آہٹ تھی۔ جواب نہ ملتا تھا مگر کوئی چلتا پھرتا صاف دکھائی دیتا تھا۔ آج افضال کو یقین ہو گیا کہ موت تو آئی مگر قبر کی بجائے بھوت کا پیٹ نصیب ہوا بمشکل اُٹھا اور چاہا کہ بھوت کو پکڑ لوں مگر ادھر تو انسان اور وہ بھی بیمار اور ادھر بھوت اور وہ بھی تندرست ایک آدھ چکر کاٹنے کے بعد یہ کہہ کر پلنگ پر گر پڑا۔

"آجا بھائی کھا جا"

چند لمحہ اسی طرح پڑا رہا۔ پھر کروٹ لی۔ تو دیکھا دو ایسی آنکھیں چمکتی ہوئی دکھائی دیں جن سے شعلے نکل رہے تھے۔ ہیبت طاری ہوئی تو آنکھیں بند کر لیں۔ پھر کھولیں تو آنکھوں کے نیچے وہ خوفناک دانت دیکھے کہ ہوش جاتے رہے۔ آنکھیں بند تھیں دل دھڑک رہا تھا اور بدن میں رعشہ پڑا ہوا تھا آخر خود ہی خیال آیا کہ دعا قبول ہوئی اور یہ فرشتہ موت ہے، اب بھوت افضال کے برابر لیٹا ہوا تھا خوف کے مارے جان نکل گئی۔ وہ بکا۔ شکر ہے مگر بھوت کیا چھوڑنے والا تھا۔ سوچ ہی رہا تھا کہ کیا کروں کہ بھوت نے گلے میں ہاتھ ڈال دیئے۔

افضال نے چیخ کر کہا، "بھائی صاحب خدا کے لئے ہٹ جایئے میں تو کوڑھی ہوں" مگر بھوت نے خاک نہ سُنی اور کہا:۔

"تو ذرا گھوڑا بن جا۔ بیٹا چیڈی توڑوں"

افضال گرتے پڑتے اٹھے اور کہا "آپ یہ تو فرمائیے ہیں کون بزرگ ؟"

بھوت نے قہقہہ مار کر کہا "تو نہیں جانتا کہ ہم کون ہیں ؟ ہم فرشتہ ہیں۔"

افضال "یہ تو میں پہلے ہی سمجھ گیا کہ دعا قبول ہو گئی۔ مگر روح بہت بری طرح قبض کی کیوں جناب فرشتوں کے بھی سینگ ہوتے ہیں ؟"

بھوت "ابے ہو گی کیا۔ روح قبض ہو چکی۔ تو اب افضال نہیں مردہ ہے اب ہسپتال میں جو روحیں قبض ہوتی ہیں۔ ان کے فرشتے سینگوں والے ہوتے ہیں اور سوال جواب ہم ہی کرتے ہیں۔"

افضال کا ذہن فوراً بچپن کی طرف منتقل ہوا۔ جب بزرگوں کی گود میں بیٹھتا تھا اور وہ پوچھتے تھے "بیٹا کس کا ہے"۔ اور وہ کہتا تھا "تمھارا" ادہر فرشتہ نے پوچھا "بندہ کس کا ہے" اور اس نے جھٹ سے کہدیا "تمھارا" بھوت یہ سنتے ہی گردن پر چڑھ بیٹھا اور کہا "کھڑا ہو جا" ایک موٹا سا گرز بھوت کے ہاتھ میں تھا۔ مگر اتنا نرم کہ چوٹ نہ لگتی تھی۔ مگر آواز بہت زور کی ہوتی تھی اب بھوت نے گرز مارنے شروع کئے اور افضال نے کھڑا ہونا شروع کیا۔ بھوت گردن پر سوار تھا اور دونوں ٹانگیں پیچھے لٹک رہی تھیں۔ بڑی مشکل سے اٹھا لیکن پوری طرح کھڑا بھی نہ ہوا تھا کہ دونوں دھڑام سے گرے افضال چپکے سے ایک کونے میں کھڑا ہو گیا اور بھوت نے آنکھیں نکال کر کہا۔

"کیوں بے ہم فرشتوں کے ساتھ یہ گستاخی ؟ چل قبر میں" اتنا کہہ کر بھوت افضال کا ہاتھ پکڑ آگے بڑھا اور ایک کوٹھری کے پاس لے جا کر کہا "بس اندر گھس جا یہی تیری قبر ہے۔"

افضال جو جھانک کر دیکھتے ہیں تو ایک چراغ ٹمٹما رہا ہے بیسیوں کھوپریاں اور سینکڑوں ہڈیاں پڑی ہوئی ہیں۔ ہڈیوں اور کھوپریوں کو جھانک جھانک کر دیکھ رہا تھا کہ کھوپری میں سے آواز آئی "سلام علیکم" ادہر ایک آدمی سفید کفن میں لپٹا ہوا آگے بڑھا اور ہاتھ پکڑ کر کہا "آئیے بھائی

صاحب اندر تشریف لایئے "

افضال بہت پریشان تھا اور دل میں کہہ رہا تھا۔

" حاشا وکلا میں ایسی موت کا طلب گار نہ تھا۔ خدا جانے جادو گھر ہے مسمریزم ہے۔ عجائب خانہ ہے۔ یہ مصیبت ہے کیا!"

رک رک کر کفنائے ہوئے آدمی کے سوال کا جواب دیا اور خاموش کھڑا ہو گیا۔ مردہ نے سلام علیکم کرتے ہی افضال کی ناک پکڑلی۔ اب افضال ہتیرا ہی چیخ رہے ہیں مگر مردے کے ہاتھ سے ناک نہیں چھوٹتی بالکل تمام بھوت نے افضال کے سر پر ہاتھ رکھ کر کچھ پڑھا اور کہا۔

" اگر جان کی خیر چاہتا ہے تو اس کاغذ پر دستخط کر دے "

افضال نیم مردہ تو پہلے ہی سے ہو رہا تھا۔ آج کی مصیبت نے پورا ہی مردہ کر دیا۔ ایک روشنی سی چمکی اور افضال نے کاغذ پر دستخط کر دیئے۔

(۹)

افضال کی کشتیٔ حیات کچھ ایسے بھنور میں پھنسی تھی کہ ڈوبتی تھی نہ ابھرتی تھی۔ بدبخت کو موت آتی تھی نہ زندہ ہوتا تھا۔ کبھی خیالی امیدیں چہرہ پر خوشی کے آثار پیدا کر دیتی تھیں اور کبھی نا امیدیاں کھلا ہوا کنول بجھا دیتی تھیں۔ قریب قریب چھ مہینے اس طرح بسر ہو گئے اور شہر میں مس رفیعہ احمد کے آنے کی خبر گرم ہوئی۔ یہ قابل فخر خاتون جنوبی ہندوستان کی رہنے والی تھیں۔ لندن سے بی اے، اور ایم اے کیا۔ شادی کا عہد کر چکی تھیں۔

ہندوستان کی معاشرت اور مسلمانوں کے تمدن پر لعن طعن اُن کا تکیہ کلام تھا۔ نماز روزہ یا دوسرے احکام سے ان کو قطعاً واسطہ نہ تھا۔ اُن کی رائے میں مسلمانوں کی ترقی کا دار و مدار عورت کی اس تعلیم پر تھا جس میں مذہب کا شائبہ تک نہ ہو۔ اُن کے قیام کی بہترین جگہ

اُن کا سچا ہم خیال اُن کا اچھا دوست حامد ثلہ کے سوا اور کون ہو سکتا تھا۔ وہیں قیام ہوا۔ وہیں آؤ بھگت ہوئی اور وہیں خاطر مدارات۔ اعلیٰ پیمانہ پر ایک زنانہ جلسہ کا انتظام ہوا اور شہر کی اکثر خواتین کچھ واقعی مستفید ہونے کے خیال سے کچھ حالات سے باخبر ہونے کے لئے اور کچھ ایک نئی بہن کو دیکھنے کے شوق میں شریک ہوئیں۔ چونکہ اشتہار میں یہ اعلان کر دیا گیا تھا کہ ماؤں کے ساتھ بچے نہ ہوں اس لئے بعض دل مار کر بیٹھ گئیں۔ اور بعض بے غیرت بن کر بچوں کو گود میں دبائے پہنچیں۔ مگر دھکے کھا کر نکلیں، پھر بھی وہ خوش حال اور کھاتی پیتی مائیں جن کے پاس مامائیں تھیں۔ بچوں کو ان کی گود میں لئے ہوئے شریک جلسہ ہوئیں۔ اور یہ انتظام کر دیا گیا کہ بچے ایک علیحدہ کمرے میں اپنی کھلائیوں کے ساتھ اسٹیج سے دور بھیج دیئے جائیں۔ بہرحال قابل مقررہ کی تقریر سے فائدہ یا نقصان اگر پہنچا تو سب سے پہلے ان بانجھ عورتوں کو جنہوں نے زندہ رہ کر مامتا کے معنی بھی نہ سمجھے اور ماں بننے کی مسرت اور اولاد جیسی نعمت سے قطعاً محروم رہیں۔ حدیث نبوی کے بموجب اس لئے کہ اسلام نے دنیا کے ہر مذہب سے زیادہ عورت کا احترام کیا ہے ان عورتوں کے بھی نعمت ہونے میں ہرگز کلام نہیں مگر یہ وہ پھول ہیں جن میں خوشبو نہیں وہ درخت ہیں جن میں ثمر نہیں اور وہ حنا جس میں رنگ نہیں۔ میر انیس نے ان لوگوں کے متعلق جو شہادت حسین کے ذکر پر جھوٹ موٹ روتے ہیں کیا خوب فرمایا ہے۔

مجلس میں ریا سے جو کہ روتے ہیں انیس
اشک ان کے بھی موتی ہیں مگر جھوٹے ہیں

ہماری رائے میں اس شعر کا اطلاق کامل اس عورت پر ہے جس کو دنیا نے اس نعمت کی لذت نہ چکھائی اور وہ اپنی بیش بہا زندگی سے دنیا کو بغیر کسی قسم کا فائدہ پہنچائے ناشاد و نامراد مر گئی۔ قصہ کوتاہ مس رابعہ کی تقریر سن سکیں تو بے بچوں کی بیبیاں یا خوشحال عورتیں۔ ٹھیک تو یہ ہے

جب مسجد سے صدائے توحید بلند ہوئی افضال کی کوٹھی میں ہارمونیم کی صدا اور مس ساخمیہ کی قومی نظم گونجی۔ ہاں ایک بات رہ گئی کہ اخبارات میں اردو داد بھیجنے کے واسطے کسی بی بی نے کلام اللہ کا بھی ایک رکوع تلاوت فرما دیا تھا مختصر یہ کہ جب تک مسلمان فریضۂ عشا میں منہمک رہے اس وقت تک دختران اسلام کا یہ گروہ قومی ترانوں اور نغموں کے ذریعہ سے اُمت مرحومہ کا کہرام مچاتا رہا۔ ساڑھے نو بجے کے قریب صاحب خانہ نے مہمانوں کا شکریہ، مقررہ کا تعارف، اور تقریر کی وجوہ بیان کیں اور اس کے بعد مقررہ نے یہ تقریر شروع کی۔

"عزیز بہنوں! مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ آپ سب اس جلسہ میں میری تقریر سننے کے واسطے تشریف لائیں اس وقت اسلام کی تمام توقعات آپ کی ذات سے وابستہ ہیں۔ اسلام نے آپ کو جو حقوق دیئے تھے مردوں نے وہ سب غصب کر لئے اور آپ کو عضو معطل کی طرح گھروں میں ڈال دیا۔ پردہ تمام ممالک اسلامیہ میں جہاں مجھ کو مدتوں رہنے کا اتفاق ہوا ہے قطعاً نہیں ہے۔ اسلام میں چہرہ کا پردہ نہ آج ہے نہ اس سے پہلے تھا اور نہ اسلام کے دور اوّل میں اس کا پتہ چلتا ہے۔ ہندوستان میں پردہ مرد کی فوقیت اور عورت کی کمزوری کا بیّن ثبوت ہے مردوں نے آپ کو صرف اپنی خدمت کے واسطے مخصوص کر دیا۔ زیادہ سے زیادہ اس لئے کہ آپ ان کے واسطے کچھ بچے پیدا کر دیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ سل کی مریض جس قدر مسلمان پردہ دار عورتیں ہیں اس قدر کوئی اور نہیں ہے۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ مسلمان عورتیں جو تازہ ہوا سے قطعاً محروم ہیں ہر وقت بیمار رہتی ہیں اسی کا نتیجہ ہے کہ آپ لوگوں کو دنیا کی مطلق خبر نہیں ہے اور سوا ہنڈیا ڈوئی اور چولھے پتیلی کے کسی چیز کا علم نہیں۔ مردوں کی خود غرضی اور نفس پروری اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ وہ آج ہم کو لونڈی اور ماماؤں سے زیادہ وقعت نہیں دیتے۔ انہوں نے عورت کے دل میں یہ خیال پیدا کر دیا ہے کہ اس کی مغفرت شوہر کی خدمت میں پوشیدہ ہے۔

سائنس کی جدید تحقیقات نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ عورت کسی اعتبار سے بھی مرد سے کم نہیں اس کے قوائے جسمانی بھی مرد سے زیادہ وزنی ہیں۔ آپ اپنی کمزوری اور نزاکت پر نظر ڈالئے آپ کو جہاں ہندوستان میں مرد اپنے سے زیادہ طاقتور دکھائی دیتے ہیں وہاں دوسرے ملکوں کی عورتیں بھی اتنی طاقتور نظر آئیں گی جو آپ جیسی دو کو بغل میں دبا کر میلوں چلی جائیں۔ آپ نے پڑھا ہوگا کہ جس وقت انگورہ کی لڑائی ہو رہی تھی اور مرد مصروف کارزار تھے اس وقت عورتوں نے سٹیشن پر تمام اسباب ڈھوئے۔ میدان میں باربرداری کی خدمات انجام دیں اور یہ انہیں کا وجود تھا اور انہوں نے اس لڑائی میں اسلام کی لاج رکھی۔

میری پیاری بہنوں یہ ارتقاء کا وقت ہے اور جب تک اس کشاکشِ حیات میں آپ اپنی متفقہ کوشش سے مرد پہ غالب آنے کی کوشش نہ کریں گی۔ کامیابی محال ہے آپ کو اگر اس دنیا میں کامیاب زندگی بسر کرنی ہے تو ایثار اور قربانی سے کام لیجئے تکلیفیں اٹھائیے مصیبتیں بھگتئے اور پردہ کی زنجیروں کو توڑ کر گھروں سے باہر نکلئے اور آنے والی نسلوں کے لئے خود اپنے ہاتھوں سے اپنے بدن چھید کر میدان صاف کیجئے۔ خود غرض مردوں نے یہ اور ستم ڈھایا ہے کہ آپ کو مذہب کی آڑ میں تباہ و تاراج کیا۔ اسلام میں مرد و عورت کا درجہ مساوی ہے اور مرد کو عورت پر کوئی فوقیت نہیں اور بالفرض ہے بھی تو ہم کو اگر دنیا میں کامیاب رہنا اور ترقی کرنی ہے تو مذہبی روڑوں کی پرواہ بالکل نہ کرنی چاہیئے۔ ٹرکی کی طرح تمام مذہبی احکام ٹھکرا دینے چاہئیں جو زندگی کی اس کشمکش میں سدِ راہ ہیں۔

پردے کے بعد مجھے دوسری بحث تعلیم پر کرنی ہے میرے بچپن میں یا میرے اس دنیا میں آنے سے پہلے لڑکیوں کی جو تعلیم ہو رہی تھی وہ مردوں کی خود غرضی کا ایک ایسا ثبوت ہے جس پر تبصرہ کی ضرورت نہیں۔

مامقیمار راہ نجات کریما وغیرہ وغیرہ کتابیں بتا رہی ہیں کہ مرد کس قسم کی عورتیں پیدا کرنی چاہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ انہوں نے صدیوں تک مذہب کی آڑ میں اپنی حکومت کا ڈنکا عورتوں پر بجایا اور اب بھی بعض دقیانوسی خیالات کے بڈھے جو چراغ سحری ہیں یہ راگ الاپ دیتے ہیں کہ لڑکیوں کی تعلیم میں مذہب نہایت ضروری ہے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے دنیائے اسلام ان لوگوں سے پاک ہو رہی ہے اور آئندہ پچیس سال کے بعد ان لوگوں کا وجود بھی نہ رہے گا ہمارا اس وقت فرض اولین یہ ہے کہ ہم اپنی لڑکیوں کی تعلیم میں مذہب کا جھگڑا قطعاً نہ آنے دیں ہم کو دنیا میں عزت سے رہنا اور ان تمام اسباب کو فراہم کرنا ہے جو ہماری دنیاوی ترقی کے معاون ہیں۔ ان حالات میں ہر مسلمان عورت کا پہلا کام یہ ہے کہ وہ پردہ کا قلع قمع کرے اور مذہب کے ہر اس حکم کو جو واقعی ہو یا اس کے سامنے ایسا پیش کیا جائے جو ترقی کے منافی ہو قطعاً نظر انداز کر دینا چاہیئے۔ ہم کو تمام ہندوستان میں اس وقت ایسے مدارس اور کالج قایم کرنے ہیں جو مسلمان لڑکیوں کو دنیاوی ترقی کے اعلیٰ مدارج پر پہنچا دیں اور اس وقت ہم کو ایسی لڑکیاں پیدا کرنی ہیں جو ہر شے کے فلسفے اور موجودہ سائنس سے اچھی طرح باخبر ہوں۔ اگر آپ ان دونوں کوششوں میں کامیاب ہوئیں تو آپ کی یہ کوشش بہت تھوڑے دنوں میں اسلام کی کایا پلٹ دے گی مجھے ایک تیسری بات اور بھی کہنی ہے اور وہ یہ کہ آپ کی معاشرت میں جو یہ چیز شامل ہو گئی ہے کہ عورت مرد کی محکوم ہو گئی ہے فوراً اڑا دیئے۔ اور لڑکیوں کے کان تک بھی یہ خیال نہ پہنچنے دیجئے عورت اور مرد ایک دوسرے کے برابر کے شریک ہیں اور قرآن کا فیصلہ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ یہی معنی رکھتا ہے۔ اگر شوہر آپ سے ایک دفعہ بدمزاجی سے پیش آئے تو کوئی وجہ نہیں ہے کہ آپ اس کی منت اور خوشامد کریں اور اس کی سختی کو بجنسہٖ پیشانی گوارا کریں۔ آپ کو جائز حق ہے کہ آپ بھی اسی ترشی سے اس کو جواب دیں۔ گھر کی خدمت اور اس کے

بچوں کی پرورش یہ معنی نہیں رکھتی کہ آپ اپنی صحت اور زندگی برباد کرلیں اور تباہ و تاراج ہوکر شوہر کو آسائش پہنچائیں۔ بچوں کی پرورش میں ماں اتنی ہی مصیبت اٹھا سکتی ہے جتنی باپ۔ آپ پرندوں میں نر مادہ کو دیکھئے دونوں باری باری بچوں کو بھاتے ہیں۔ آج یہ باتیں آپ کو ناگوار ہوں گی اور آپ ان پر بآسانی عمل نہیں کرسکتیں۔ مگر ہمت کیجئے اور یقین کیجئے کہ آپ کی ہمت سے یہ بیڑا پار ہوگا۔

میں اپنی تقریر کے ختم کرنے سے پہلے آپکے سامنے اپنی عزیز بہن حارثہ افضال کا نمونہ پیش کرتی ہوں۔ مجھے جس قدر خوشی ان سے مل کر ہوئی اس سے زیادہ ان کے حالات سن کر۔ اگرچہ ان حالات کا آخری حصہ نہایت دردناک ہے جس خلوص و محبت کے ساتھ انہوں نے اپنے شوہر مسٹر افضال کے ساتھ زندگی بسر کی اس کو سارا شہر جانتا ہے۔ ان کو کوڑھ ہوجانے کے بعد ان کے پاس اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ یہ اپنی صحت کو مقدم سمجھیں اور اس بیماری میں گرفتار نہ ہوں جو متعدی ہے۔ اس میں شک نہیں عمر بھر کے رفیق کا اس طرح چھوٹ جانا نہایت صدمہ اور افسوس کی بات ہے لیکن عقل سلیم اس کے سوا دوسرا فیصلہ نہیں کرسکتی تھی۔ اگر یہ مذہب کے ان احکام پر عمل کرتیں جو آج کل کے مسلمانوں نے پیش کر رکھے ہیں اور جنت کی طلبگار ہوتیں جو مسلمانوں کی معراج ہے تو آج دنیا سے رخصت ہو چکی ہوتیں۔ انہوں نے اپنی زندگی کو مقدم سمجھا اور اپنی جان مرض متعدی سے بچائی حقیقتاً احکام یہی ہیں اور اسی کا نام اسلام ہے"

(۱۰)

بڑھاپے میں انسان کا خدا کی طرف رجوع ہونا حقیقتاً اس اصول کے تحت میں ہے کہ مصیبت انسان کو خدا یاد دلاتی ہے۔ افضال پر جو مصیبت آکر پڑی وہ مصیبت کے اعتبار سے انوکھی یا نرالی نہ تھی۔ مگر نوعیت کے اعتبار سے لاریب بے مثل تھی۔ اب اس حالت میں کہ دن بھر ایک ٹوٹے

ہوئے پلنگ پر پڑا رہتا بھوک لگتی تو وہ دو دو نان پاؤ کھالیتا پیاس لگتی تو پانی پی لیتا نیند آتی سو رہتا۔ جاگنے کا مشغلہ یاد الٰہی کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ دل ایک عرصہ تک اور دماغ مدتوں خدا سے فرنٹ رہا اس لئے طبیعت حتی الوسع رجوع سے گریز کرتی اور وہی گذرتے ہوئے لنڈنے بسر کی ہوئی راتیں۔ بیتے ہوئے دن سامنے آجاتے مگر اب تک چونکہ عقل موجود تھی اس لئے اچھی طرح سمجھ رہا تھا کہ سانپ نکل گیا لکیر پیٹا کرو اطمینان اگر میسر آسکتا ہے تو خواہ زندگی میں یا بعد الموت ایسی طاقت کی بدولت جو ازلی اور ابدی ہے۔ شفاخانہ کے ملازم نے جو مسلمان تھا خدا معلوم رحم کھا کر ثواب کی توقع پر یا کس امید پر ایک ترجمہ کا قرآن مجید لا دیا تھا۔ اس کو پڑھتا اور کبھی کبھی ندامت کے آنسوؤں سے رو بھی دیتا۔ سچ یہ ہے کہ وہ اب نام کا افضال تھا۔

افضالیت مدتیں ہوئیں کہ فنا ہو چکی تھی جسم کی کھال خشک ہو چکی تھی ہڈیاں اور ڈھانچ باقی تھا۔ کمزور نظریں اسی شیر کی طرح جو پنجرے میں قید ہو کر سلاخوں سے ٹکریں مارتا ہو شفاخانہ کی دیواریں اور شاہ بلوط کے درختوں سے ٹکرا ٹکرا کر واپس آجاتی تھیں چند گز چلتا تو چکر آجاتے اور بیٹھ کر اٹھتا تو کمر میں درد ہونے لگتا۔ ایک روز علی الصباح اس نے نماز پڑھی پر آمدے میں آ کر بیٹھا۔ جسم کو دیکھا تو ہر حصہ کوڑھ کے چیٹوں سے لپا ہوا تھا کہیں کھجلی تھی اور کہیں کیڑے تھے آسمان کی طرف دیکھا اور شکر کیا۔ دل اپنی حالت دیکھ کر بھر آیا۔ قرآن شریف کھولا تو نظر اس وقت پر پڑی جب حضرت ایوبؑ نے اسی حالت میں خدا کو اپنی مدد کے واسطے ان الفاظ میں پکارا ہے رَبِّ اِنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَ ۝ کلیجہ دہل گیا۔ بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے آسمان کی طرف دیکھا اور نگاہ نیچی کر لی۔

ہم کہیں پہلے بھی کہہ چکے ہیں کہ افضال کے دکھے ہوئے دل کی دعا عرش پر پہنچ گئی اور آج پھر کہتے ہیں کہ اس درگاہ میں نہ سجدہ کی ضرورت تھی نہ رکوع کی، نہ دعا کی نہ التجا کی۔ افضال کی

آنکھ آسمان پر تھی اور وہ عالم تخیل میں بصد عجز و نیاز اپنے حقیقی شہنشاہ کے دربار میں دست بستہ یہ عرض کر رہا تھا کہ

"اے تو وہ جس نے ایوبؑ کے زخموں کو راحت سے بدل دیا افضال کی مصیبت کو بھی تو راحت سے بدل سکتا ہے! میرے اعمال یقیناً اس کے مستحق نہیں، میرے افعال اس سے سخت تکلیف کے مستوجب اور میں خود اس سے بہت زیادہ عذاب کا سزاوار ہوں مگر تیری سرکار بڑی ہے اور میں ایک ناچیز انسان ہوں۔"

افضال کی زبان خاموش تھی مگر اس کی آنکھ یہ سب کچھ ایک ہی گردش میں ادا کر گئی۔ دنیا اس سے اتفاق نہ کرے اور مادیت اس کو ٹھکرا دے مگر ہم آج پھر کہتے ہیں کہ آسمانی شہنشاہ نے افضال کے گناہ رحمت کے دامن میں چھپا لئے۔

ابھی خوف کے آنسو افضال کے رخسار سے خشک نہ ہونے پائے تھے کہ سترہ اٹھارہ برس کا ایک لڑکا سر پر صافہ باندھے ننگے پاؤں بغل میں ایک پوٹلی اور ہاتھ میں بیگ لئے شفاخانہ میں داخل ہوا اور سلام علیک کرکے افضال سے مصافحہ کو ہاتھ بڑھایا!!

(۱۱)

وہ خاکی جسم جس سے ہر متنفس کوسوں دور بھاگ رہا تھا۔ وہ ہاتھ جو عمر بھر بلند رہ کر آج ایسے نیچے ہوئے کہ شفاخانہ کے غیر نوکر کے آگے اٹھے اور خالی پھرے اس کی اور ان کی طرف ایک انسانی ہستی کا آگے بڑھنا ایسے حیرت اور تعجب کی بات تھی کہ افضال سناٹے میں رہ گیا۔ مگر اس کے دل نے معاً فیصلہ کر لیا کہ یہ نووارد ناواقف ہے مجھے مناسب نہیں کہ اس کو مصیبت میں مبتلا کروں۔ چپکے پیچھے ہٹا۔ اور کہا:۔

"آپ کو شاید علم نہیں کہ میں کوڑھی ہوں اور مجھے ہاتھ لگانا بڑی چیز ہے۔ میرے پاس بیٹھنے

سے بھی یہ مرض دوسرے میں سرایت کرجائے گا۔ آپ دیدہ ودانستہ مصیبت مول نہ لیجئے اور کچھ دور فاصلہ پر کھڑے ہوکر گفتگو کیجئے۔"

اجنبی کے چہرے پر مسکراہٹ آئی اور کہا " آپ نے مجھے پہچانا نہیں۔ میں آپ کی دایہ بی حرمت کا لڑکا سلیم ہوں۔ میں نے ملازمت کی مگر موقوف ہوگیا۔ تجارت کی ناکام رہا۔ قلی بنا، بیمار ہوگیا غرض زندگی کا ہر میدان میرے واسطے تنگ ہے۔ مجھے جس وقت سے آپ کے حالات معلوم ہوئے ہیں میں نے فیصلہ کرلیا کہ اپنا یہ خون جس میں آپ کا نمک دوڑ رہا ہے آپ پر قربان کروں اور ایسی موت مروں جو اگر دوسروں کے واسطے نہیں تو میرے واسطے باعث فخر ہو اور زندگی کے آخری لمحوں میں جب پرواز روح کا وقت قریب ہو تو دل اپنی حرکت بند کرنے سے قبل وفاداری کی ایک ایسی مسرت کا لطف اُٹھائے جس کی جھلک میں اس وقت بھی اپنے دل میں پا رہا ہوں۔ میں نے آپ کے حالات معلوم کرنے کے بعد شہر کے مشہور طبیبوں کی طرف رُخ کیا۔ مجھے کوڑھ کا ایک نایاب نسخہ ملا ہے۔ مگر افسوس وہ اصلی بوٹی جو اس نسخہ کا جزو اعظم ہے باوجود سخت محنت و تلاش کے اس سامنے والے پہاڑ سے بہت تھوڑی سی ملی۔ ارادہ یہ تھا کہ آگے بڑھوں اور زیادہ ڈھونڈھ کر لاؤں مگر حق نمک نے بے چین کردیا۔ دل تڑپتا رہا۔ اور جوش وفاداری نے قدم آگے نہ بڑھنے دیئے۔ سرکار! آپ کیا فرما رہے ہیں میں تو ایک غلام ہوں۔ میرا خاندان آپ کے ٹکڑوں سے پلا ہے۔ ہم لوگ اگر تمام عمر بھی قے کریں تو آپ کا نمک ہماری انتڑیوں سے نہیں نکل سکتا۔ آپ کی یہ حالت ہوگئی میں زندہ رہوں اور اس وقت کام نہ آسکوں لعنت مجھ پر میری زندگی پر اور میری صورت پر۔"

اتنا کہہ کر سلیم نے اپنی پوٹلی اور بیگ پیچھے رکھا۔ نمک کا جوش غالب ہوا۔ وفا کے خوش رنگ پھولوں نے دماغ معطر کردیا آنکھیں انسانیت کے سُرمہ سے منور ہوگئیں اور دوڑ کر لپٹ گیا۔

سلیم کے پلٹتے ہی افضال کی حالت بگڑی. اس نے سوچا کہ اللہ غنی اس دنیا میں جہاں حارثہ جیسی تعلیم یافتہ بیوی دھوکہ دے گئی وہاں ایسے ایسے مخلص انسان موجود ہیں جنہوں نے میرا کچھ کھایا نہ پیا. ہیں جن کی صورت تک نہیں پہچانتا محض بزرگوں کے تعلقات پر. جان بوجھ کر میرے واسطے مصیبت مول لیتے ہیں.

سلیم کا دل محبت و وفا کے خزائن سے لبریز تھا اور افضال کا دل جو آدمی کی صورت اور آواز تک کو ترس گیا تھا. قدردانی اور محبت کی نعمت سے مالامال. دونوں کے پاکیزہ جذبات دلوں میں نہ ٹھیر سکے اور آنسوؤں کی ندیاں آنکھوں سے رواں ہوگئیں. دیر تک یہ حالت طاری رہی سلیم نے اس وقت علیحدہ ہوکر ادھر اُدھر سے لکڑیاں چنیں پانی گرم کیا. مل مل کر افضال کو نہلایا اور کپڑے جو اس کے ساتھ تھے بدلوائے. جب تک افضال اس اچنبے پر غور کرتا رہا اس وقت تک سلیم نے جس کے ساتھ جنس موجود تھی کھانا تیار کیا اور اُجلا دستر خوان بچھا کر سامنے لاکر رکھا وہ عجیب وقت تھا جب افضال نے ایک عرصہ دراز کے بعد اپنے سامنے یہ سامان دیکھا اور اس سے زیادہ تعجب انگیز وہ لمحہ تھا جب افضال نے سلیم سے کہا "آؤ تم بھی دستر خوان پر بیٹھو" اور سلیم نے ہاتھ جوڑ کر کہا: "ایک نمک خوار غلام کی اتنی مجال نہیں کہ سرکار کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے"

افضال نے پیٹ بھر کر کھانا کھایا. وہ ہر نوالہ پر ایک طرف سلیم کو دعائیں دے رہا تھا اور دوسری طرف خدا کا شکر ادا کر رہا تھا. کھانے سے فراغت کے بعد سلیم نے تمام زخموں اور بثوروں پر حکیم کی وہ دوائی جو وہ اپنے ساتھ لایا تھا چھڑکی.

اتنے دنوں بعد افضال کو جو پیٹ بھر کر کھانا میسر ہوا تو لیٹتے ہی بے خبر سو گیا. اور سلیم اس کے پاؤں اور کمر دبانے بیٹھا. سہ پہر کو جاگ کر اس کی آنکھ کھلی تو دیکھا کہ آنا زادہ برابر پاؤں دبانے میں

مصروف ہو۔ بے اختیار ہو کر پھر لپٹ گیا بسلیم بھی اس کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لئے ہوئے گردن نیچی جھکائے خاموش بیٹھا تھا۔شام قریب آئی ہسپتال کا ملازم نوواردوں سے دو ایک باتیں پوچھ کر دودھ اور پانی رکھ کر چل دیا بسلیم نے اپنے اسباب میں سے لیمپ نکالا تیل بھرا اور روشن کر دیا۔ رات بھر سلیم اسی طرح افضال کی خدمت میں مصروف رہا۔ افضال نے ہر چند کہا مگر اُس نے ذرا آنکھ جھپکائی نہ الگ ہوا۔صبح ہونے لگی تو رات بھر کا جاگا ہوا سلیم اس کی پائینتی زمین میں اپنا کمبل بچھا پڑ رہا۔ افضال جاگا تو دریائے حیات میں غوطے مار رہا تھا۔ بالآخر وہ اس نتیجہ پر پہنچا کہ جس نے یوسفؑ کو یعقوبؑ سے ملوایا جس نے موسیٰؑ کو ماںتا کی ماری ماں کی گود میں دے کر اس کی آنکھیں روشن کیں جس نے صابر ایوبؑ کو رحمتؑ جیسی بیوی کے ہاتھ سے تندرست کیا، وہی اپنی قدرت دکھا رہا ہے اور اُسی نے سلیم کے دل میں یہ درد پیدا کر کے اپنی قدرت کے یہ تماشے دکھائے۔

تین دن اور تین راتیں اسی طرح گذریں چوتھے روز بجائے افاقہ کے افضال کی حالت اور بھی ردی ہوگئی کیڑے تمام جسم میں پڑ گئے چلنے پھرنے کی طاقت نہ رہی اور اب سلیم اور افضال دونوں کو موت کا پورا یقین ہوگیا۔ پانچویں روز افضال کی حالت بالکل ہی ردی تھی۔اور سانس کے سوا کوئی چیز باقی نہ رہی۔وہ کئی گھنٹے تک بیہوش پڑا رہا۔رات کے آخری حصہ میں جب اس کی آنکھ کھلی تو اس نے دیکھا کہ پیٹریوں کا وفادار نوکر رو رو کر اپنی آنکھیں اس کے قدموں سے مل رہا ہے! دل اور بھر آیا اس کو اشارے سے اپنے پاس بلا کر کچھ کہنا چاہتا تھا مگر زبان نے یاری نہ دی۔ سر ٹپک کر خاموش ہوگیا بسلیم نے تھوڑا سا شہد حلق میں ٹپکا کر پیشانی پر بوسہ دیا۔ تو دیکھا کہ اس حالت میں افضال کی آنکھ سے آنسو بہ رہے ہیں۔صافے کے کونے سے

اس کے آنسو پونچھے اور آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہا" خدا پر بھروسہ کرو وہ تنکے میں جان ڈالنے والا ہے"

دونوں کی رات اسی طرح ختم ہوگئی اور صبح صادق اپنا ڈنکا بجاتی ہوئی نمودار ہوئی تو افضال نے اشارہ سے پانی مانگا سلیم پانی کو اٹھا تو صراحی خالی تھی۔ مٹکے کو دیکھا تو وہ بھی خشک۔ شفا خانہ کے گھڑے کو جھانکا تو وہاں بھی بوند نہیں۔ دل یہ گوارا نہ کرتا تھا کہ اپنے آقا کو اس حالت میں چھوڑ کر جاؤں ایسا نہ ہو کہ میری عدم موجودگی میں دم نکل جائے۔ نہ یہ برداشت ہوسکتا تھا کہ اس آخر لمحہ میں پانی کے دو قطروں کو ترستا ہوا دنیا سے رخصت ہو۔ کچھ دیر سوچا اور گھڑا لے کر نکلا۔ صبح ہو چکی تھی مگر آسمان تیرہ و تاریک تھا۔ بجلی کوند رہی تھی، بادل گرج رہا تھا اور اولے پڑ رہے تھے۔ آگے بڑھنے کی ہمت نہ پڑی۔ مگر خدا معلوم سلیم کے پہلو میں کیسا دل تھا اور دل میں خدا معلوم کس قسم کی وفاداری کا جذبہ لہریں لے رہا تھا کہ بارش کو چیرتا، اولوں کو سہتا اور بجلی کو انگیز تا، شفا خانہ سے باہر نکلا۔ کنواں معلوم نہ تھا کہ کدھر ہے پہاڑ پر چڑھا اور چاروں طرف دیکھا تو سامنے آبشار بھرویں الاپ رہا تھا بے تحاشا بھاگ کر نیچے اترا۔ دامن کوہ میں چشمہ بہہ رہا تھا، ارادہ کیا کہ کنارے ہی سے گھڑا بھرلوں مگر پانی گدلا اور میلا تھا آگے چلا اور کمر کمر پانی میں جا پہنچا۔ پانی رواں تھا بارش اور بجلی بدستور تھی۔ اولوں کی بوچھاڑ سے سر چھلنی ہو رہا تھا کہ زمین پاؤں سے نکل گئی، ڈبا ڈو پانی میں چلا گیا اور غوطے کھانے لگا۔ اس نازک موقعہ پر جب ایک وفادار نوکر اپنے آقا پر اس کی آنکھوں سے دور، تن تنہا قربان ہو رہا تھا مٹی کے ناچیز گھڑے نے اس کو سہارا دیا اور کنارے پہنچا یا لیکن درخت کی کسی شاخ کی کھرونچ اس زور سے لگی کہ تمام ران لہولہان ہوگئی۔ بہرحال پانی کا گھڑا بھرا اور اسی طرح بھاگم بھاگ شفا خانہ آیا،

تو افضال کی آنکھیں بند اور منہ کھلا ہوا تھا سمجھا کر چل بسا اور میری قسمت میں آخری خدمت کی بھی سعادت نہ تھی۔ روتا ہوا جھکا اور حلق میں پانی ٹپکایا تو افضال نے آنکھیں کھول دیں۔ سلیم کو اپنے پاس بٹھایا اور اپنے بائیں بازو پر کپڑے کی ایک دھجی کھول کر اس میں سے ایک ہیرا نکالا اور کہا:۔

"یہ ہیرا پچیس ہزار روپیہ کی مالیت ہے جو میں تیری گراں قدر خدمات کے معاوضہ میں پیش کرتا ہوں"

سلیم اس ہیرے کو دیکھ کر تڑپ اٹھا اور کہنے لگا:۔

"آقا خدا شاہد ہے ایسے ایسے ہزار ہیرے آپ کی صورت پر نثار۔ مجھے کوئی مالی توقع یہاں نہیں لائی میں تو صرف اس صورت کا عاشق ہوں اور قدیم نمک خوار ہوں وقت میرا امتحان لے رہا ہے اور زندگی کی یہ گھڑیاں مجھکو ایمان کی کسوٹی پر کس رہی ہیں۔ خدارا میری خدمات تاراج نہ کیجئے اور دعا کیجئے کہ میری یہ کوششیں خلوص پر قائم رہیں اور ان میں کسی مالی منفعت کا شائبہ تک شامل نہ ہونے پائے۔ کس کی دولت اور کیسا ہیرا، میں اس صورت کا دیوانہ ہوں۔ یہ بچ گئی تو میں اس خزانہ کا مالک ہوں جس پر تمام دنیا کے زروجواہر قربان! اجازت دیجئے کہ میں اس ہیرے کو اسی طرح باندھ دوں۔ خدا آپ کی عمر میں برکت دے اور ہیرا آپ کو اور ہماری بیگم صاحبہ حارثہ کو نصیب ہو"

خدا معلوم چشمہ کے پانی میں کیا خاصیت تھی کہ حلق سے اترتے ہی افضال کی حالت میں زمین آسمان کا فرق ہو گیا اور اسی افضال نے جس کا ایک بات کرنے سے سانس اکھڑتا تھا۔ بغیر مدد کے کروٹ لی۔ لیکن حارثہ کا نام آتے ہی اس کے دل پر ایک سخت چوٹ لگی اور کہنے لگا:۔

"آہ سلیم! حارثہ کا نام لے کر عمر گذشتہ کے تمام واقعات سامنے رکھ دیئے اور کتاب

زندگی کے تمام حالات آنکھ کے سامنے آ گئے۔ حارثہ بیوی کی حیثیت سے شریک رنج وراحت تھی وہ میری عاشق تھی اور میں اُس کا، اور ہم ایسی خوشگوار زندگی بسر کر رہے تھے جس پر دنیا رشک کرتی تھی۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ ایک موقع پر میری انگلی میں چھپلوری نکلی تو باوجود نوکر چاکر اور ماماؤں لونڈیوں کی موجودگی کے میرے منع کرنے پر حارثہ نے تمام رات جاگ کر کاٹی۔ مگر اس وقت اس کو میری زندگی کی اُمید تھی اب وہ منقطع ہوگئی اور اُس کو یقین کامل ہوگیا کہ میں زندہ رہنے والا نہیں۔ اس انقطاع نے اس کی قلعی کھول دی اور پتہ چلا کہ اس کی محبت وہ شہد ہے جس کے نیچے زہر بچھا ہوا ہے وہ پھول ہے جس کی تہہ میں کانٹے لپٹے ہوئے ہیں اور وہ جنت ہے جو دوزخ کے طبقہ پر قائم ہے۔ مجھے تعجب ہے کہ کس طرح ایک انسان بلکہ یوں کہو کہ ایک عورت اپنے حقیقی جذبات کو اتنے عرصہ تک پوشیدہ رکھ سکتی ہے۔ حارثہ کی محبت مصنوعی تھی اس کو مجھ سے تعلق نہ تھا میری دولت سے تھا جس کا انحصار میری زندگی پر تھا۔ میرے لاچار اور بے بس ہوتے ہی وہ کھل کھیلی اور میں آج بے کس ہو کر بے یار و مددگار روددوداتوں کو ایک ایک پیسہ اور ایک ایک آدمی کو اس شفاخانہ میں پڑا ہوا ترس رہا ہوں وہ تعلیم یافتہ ہے اور اس کی عمر کا ایک حصہ یورپ میں جس کو میں سمجھتا تھا کہ انسانیت اور آداب، تہذیب کا مخزن ہے گذر چکا ہے، مگر مجھے اب معلوم ہوا کہ دُور کے ڈھول سہاونے وہ فقط ظاہری شوں شاں تھی"

اتنا کہہ کر افضال کی ہچکی بندھ گئی اور سانس رُکنے لگا۔ سلیم نے تسکین دی۔ پانی پلایا اور کہا:-

"آپ تندرست ہو جائیے اس کے بعد یہ باتیں سوچیے گا"

(۱۲)

اب دوپہر ہوچکی تھی سلیم نے کھانا تیار کیا کھلایا۔ پانی پلایا۔ پاؤں دبانے بیٹھ گیا۔ افضال سویا تو شام کو آنکھ کھلی کل کی اور آج کی حالت میں آسمان و زمین کا فرق تھا۔ رات اچھی گذری۔ صبح ہوئی دوپہر کو دھوپ میں لٹا کر کیڑے چُنے۔ دوا چھڑکی۔ کپڑے بدلے۔ دودھ پلایا۔ اور یہ عمل کئی روز تک جاری رہا۔ بوٹی ختم ہوگئی۔ اور ایک دن دوپہر کے وقت جب سلیم آخری دوا چھڑک رہا تھا اُس نے کہا "آقا! دوا ختم ہوگئی؟ بوٹی میرے پاس کافی نہ تھی۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کیڑے بند ہوگئے صحت کی پوری امید ہے مگر چھے ابھی موجود اور زخم ہرے ہیں۔ اجازت دیجئے کہ میں بوٹی ڈھونڈھ کر لاؤں"

افضال کے واسطے سلیم کی صورت ایک ایسی نعمت تھی جس کا اندازہ الفاظ ادا نہیں کرسکتے صرف اسی کا دل کرسکتا ہے۔ اس کو شبہ ہوا کہ سلیم کا دل میری خدمت سے گھبرا گیا اور بھاگنا چاہتا ہے حسرت بھری نظروں سے اس کی صورت دیکھی اور کہا۔

"مجھ کو صحت کی ضرورت نہیں۔ صرف تمہاری ضرورت ہے تم نے جو کچھ کیا میرا منہ نہیں کہ میں اس کا شکریہ زبان پر لاسکوں۔ اگر تم میرے پاس سے چند گھنٹوں کو بھی علیحدہ ہوئے تو میں تڑپ تڑپ کر اور ترس ترس کر مر جاؤں گا۔ میں جانتا ہوں کہ تمہاری بھوک پیاس عیش آرام ہر چیز میری وجہ سے حرام ہوچکی۔ تم میری وجہ سے مصیبت کے کنوئیں میں کودے اور وہ پہاڑ اپنے سر پر لیا جس کا جواب آج اس دنیا میں کوئی زندہ انسان نہیں دے سکتا تم نے مجھ کو مرے ہوئے ماں باپ یاد دلا دئیے اور وہ کیا جس کے شکریہ سے میری زبان ہی نہیں میرا رونگٹا رونگٹا قاصر ہے۔ للہ رحم کر اور مجھ کو تنہا نہ چھوڑ"

افضال کی گفتگو سُن کر سلیم کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔ اس نے اپنا منہ افضال کے منہ

پر رکھدیا اور کہا "آقا آپ کیا فرماتے ہیں میں اسی صورت کے لئے چند گھنٹوں کے واسطے بچھڑتا ہوں۔ انشاء اللہ شام سے پہلے حاضر ہوں گا یقین کیجئے گو میں آپ سے دُور ہوں گا۔ مگر میرا دل یہیں پڑا رہے گا۔"

جب افضال خاموش ہوگیا تو سلیم اُٹھا۔ سلیم کا وہ زخم جو دریا میں لگا تھا ابھی تک بدستور ریس رہا تھا اور افاقہ کی صورت نظر نہ آتی تھی آج پاجامہ خون میں تربتر دیکھ کر افضال کا کلیجہ دھک سے رہ گیا اور اس نے کہا "اے سلیم یہ کیا ہوا؟"

سلیم نے نہایت لاپرواہی سے جواب دیا "کچھ نہیں ایک معمولی پھنسی ہے جو پھوٹ گئی"

افضال نے کہا "جب تک اس کی مفصل کیفیت نہ بیان کروگے میں یہاں سے نہ اُٹھنے دوں گا یقیناً یہ چوٹ لگی ہے۔ بتاؤ خدا کا واسطہ بتاؤ۔"

سلیم نے رُک رُک کر کچھ تھوڑا سا حال بتایا اور زخم پر پٹی باندھ کر لنگڑاتا ہوا پہاڑ کی طرف روانہ ہوگیا۔

شام تک پہاڑ کی ٹھوکریں کھائیں۔ گھور گھور کر دیکھا، آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا۔ چپہ چپہ دیکھا۔ کونا کونا دیکھا، اور تین چار میل اسی تلاش میں نکل گیا بے وقوف کو حق تک میں یہ خیال بھی نہ رہا کہ میں کہاں ہوں کہاں جاتا ہوں۔ شام سر پر آ پہنچی مگر بوٹی کا کہیں پتہ نہ لگا۔ آفتاب چھپا، جھٹ پٹا ہوا تاریکی ہوئی اور چادر سیاہ فضاء آسمانی پر چھاگئی تارے جھلک رہے تھے، مگر رات اندھیری تھی جنگلی جانوروں کی چیخم دہاڑ نے پہاڑ سر پر اٹھالیا غریب کو اب خیال آیا کہ بوٹی نہ ملی اور خدا معلوم مریض پر کیا گذر رہی ہوگی۔ لوٹا مگر رستہ کا نشان تھا نہ شفاخانہ کا پتہ، دو قدم چلتا تھا تو ٹھوکر لگتی تھی، پاؤں لہو لہان ہوگئے اور ایک مقام پر سے تو ایسا پاؤں رپٹا کہ اندھیرے میں اگر محض اتفاق سے درخت کی جڑ

ہاتھ نہ آیا تو چکنا چور ہو جاتا ۔ پھر بھی کہنیاں گھٹنے پہنچے اور ٹخنے زخمی ہو ہی گئے وہ پیر
سر پکڑ کر بیٹھ گیا جنگل بیابان سنسان میدان عظیم الشان پہاڑ ہوا کا سناٹا دل دہلا رہا تھا
کبھی برابر سے لنگور نکل جاتے تھے کہیں سانپ پھنکارتے تھے اور کبھی کبھی اور جانوروں
کی آواز ہولا دیتی تھی ۔ پناہ کی کوئی جگہ نہ تھی مگر اس وقت بھی سلیم کو اپنی زندگی کی جس
قدر تمنا تھی ۔ وہ صرف افضال کی یاد اس کی تنہائی رہ رہ کر اور تھم تھم کر اس کا کلیجہ مسوس
رہی تھی جہاوٹ کے دن تھے ۔ آسمان نے کروٹ لی تارے چھپ گئے بادل چھا گئے اور
بجلی کی چمک اور کڑک کے ساتھ اولے پڑنے شروع ہوئے ۔

ہم کو خود تعجب ہے کہ سلیم کس دل کا آدمی اور کس گردے کا انسان تھا ۔ حق نمک
کی ایسی دوسری مثال ہم کو نظر نہیں آتی موجودہ دنیا میں اس سلیم کو دیکھ کر جس پر افضا
کے ماں باپ بھی قربان ہو سکتے ہیں ۔ ہم تو یہی کہیں گے کہ سلیم فرشتہ تھا پہلی مرتبہ بھی با
اس کے سر پڑی تھی اور آج بھی اولوں کی بوچھاڑ نے اس کو پوری طرح زخمی کیا ۔ صبح ہوتے
ہی بارش تھمی تو جان میں جان آئی ۔ اُجالا ہوا تو آگے بڑھا اور پھر اپنی تلاش میں منہمک ہو گیا
کوشش کبھی رائگاں نہیں جاتی ۔ شاہ بلوط کے ایک درخت کے نیچے بوٹی نظر آئی او
اس کثرت سے کہ سلیم دن بھر بھی ڈھونڈتا تو ختم نہ ہوتی ۔ دل باغ باغ ہو گیا ۔ توڑی جس قدر توڑ سکتا تھا اور بھاگا جس قدر جلد بھاگ سکا ۔ شام کے قریب شفاخانہ پہنچا تو افضال پھو
پیا سا بے ہوش پڑا تھا ۔ سلیم دیکھ رہا تھا کہ اپنے جسم سے خون کے فوارے جاری ہیں خ
منہ ہاتھ دھو کر اپنے زخموں کی مرہم پٹی کی اور ظاہر حالت درست کرنے کے بعد سب سے پہلے
کھانا پکایا ۔ اور اس کے بعد افضال کے قریب آیا اس کو ہوشیار کیا تو افضال نے دونو
ہاتھ سلیم کے آگے جوڑے اور کہا ۔

"سلیم! دل سے کر و عائد کر! تو کہاں تھا؟ مجھے خبر ہے کہ مجھ پر کیا گذر گئی۔ پورے چھتیس گھنٹے ہوئے کہ بیں نے آدمی کی صورت نہیں دیکھی وانہ پانی حرام ہے۔ بات نہیں کی جاتی۔ للہ چند قطرے پانی کے حلق میں ڈال"

سلیم نے پانی پلایا۔ کھانا کھلایا۔ دوا پلائی بھی اور لگائی بھی۔ اور پاؤں دبانے بیٹھ گیا رات گذر گئی۔ صبح کو افضال کی حالت روز سے بہتر تھی اور بہتر ہوتے ہوتے اب اس درجہ پہنچی کہ مہینہ کی پندرہ تاریخ کو جب ڈاکٹر آیا تو مریض کی حالت دیکھ کر سکتہ سا ہو گیا۔ اور اس نے کہا "مسٹر افضال آپ تو تندرست ہو گئے۔ موت کا اندیشہ بہت کم ہے۔ دیکھئے دوا نے آخر اپنی تاثیر کی۔ ایک ہفتہ بعد ہم مسز افضال کو بھی آنے کی اجازت دے دیں گے۔ اور آپکے نوکر چاکر بھی نہایت خوشی سے آپ کی خدمت بجا لائیں گے"

افضال کو دوا چھوڑے مدتیں ہو گئی تھیں صحت کے آثار نمودار ہوتے ہی اس کا رنگ بدل گیا۔ اور جس زبان سے صرف افضال نکلتا تھا۔ آج اس سے مسٹر افضال نکلنے لگا۔ سلیم ڈاکٹر کو دیکھ کر چھپ گیا تھا۔ اس نے شروع ہی سے یہ احتیاط کی تھی کہ مجھ کو ملازم بھی نہ دیکھنے پائے ایک ہفتہ اور گذرا۔ سلیم کی خدمت ناقابل بیان ہے۔ اس نے مسلسل راتیں اور متواتر دن اسی خدمت میں گذار دئے۔ اس کے اپنے زخم روز بروز بڑھ رہے تھے۔ اور تمام جسم لہولہان ہو رہا تھا لیکن آقا کے آگے اس کو اپنا یا اپنی بیماری کا قطعی ہوش نہ تھا۔ یہ وہ وقت تھا کہ افضال کے زخم پھونسی کی طرح اڑ رہے تھے۔ جسم کندن کی طرح دمکنے لگا۔ اور وہ قریب قریب اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ ڈاکٹر جو مہینہ میں دو دفعہ بھی مشکل سے آتا تھا اب آٹھویں دن پہنچا اور آج اس کو برآمدے میں ٹہلتا دیکھ کر سناٹے میں رہ گیا۔ جو شخص ہوا لگنی زہر سمجھتا تھا۔ اس نے نہ صرف ہاتھ ملائے

بلکہ گلے ملا اور مبارکباد دے کر اُلٹے قدموں لوٹ گیا۔

اس وقت شام ہو چکی تھی۔ علی الصباح ڈاکٹر مجسٹریٹ اور شہر کے امرا اور رؤسا شہ
تی میں مبارکباد کے لئے جمع ہوئے۔ دوپہر تک مسز افضال بھی تشریف لے آئیں اور جس
بیوی نے زندہ شوہر کو مردہ سمجھ کر لعنت بھیجی تھی، وہ بھی خوشی کے مارے اچھل پڑی۔ افد
اب دنیا اور اس کے تعلقات کا پورا امتحان کر چکا تھا، اور سمجھ رہا تھا کہ یہ سیمائی جلوے
کیا معنی رکھتے ہیں۔ جب مسز افضال نے گھر چلنے کی درخواست کی تو اس نے کہا

"تم جاؤ میں شام کو آ جاؤں گا۔ سواری بھیج دو"

حاکم اللہ نے ہر چند عذر کیا اور چاہا کہ میں بھی شام تک یہیں ٹھیروں اور ساتھ چلوں۔ مگر
افضال نے اس سے اتفاق نہ کیا اور اس کو روانہ کر دیا۔ سلیم ان سب سے منہ چھپا کر علیحدہ
تھا کہ افضال اس کے سر پر آ پہونچا۔ دیکھتا کیا ہے کہ بدنصیب کے جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں
جو زخمی نہ ہو۔ سمجھ گیا کہ یہ تمام زخم بوٹی کی تلاش میں اس رات کے ہیں۔ سامنے آ کر کھڑا ہو
اور کہنے لگا۔

"پیارے سلیم! میں اگر ان زخموں پر قربان بھی ہو جاؤں تو تیرا شکریہ ادا نہیں کر
میری جان تیری ہے۔ میرا مال تیرا ہے اور میں تیرا ہوں۔ اب گاڑی آتی ہے غسل کر کے
بدل اور میرے ساتھ چل کہ میں دنیا کو اس محسن کی صورت دکھاؤں جس نے بتا دیا کہ ایما
کیا چیز ہے"

اتنا سنتے ہی سلیم کھڑا ہو گیا اور کہا۔

"بادشاہ کس کا شکریہ، میں تو غلام ہوں۔ میں نے اپنا حق نمک ادا کیا۔ ایسے الفاظ اپنی زبا
سے نہ فرمایئے! میں نے جو کچھ کیا اپنا فرض ادا کیا۔ یہ احسان یا کرم نہیں ہے آپ کو ٹھی شوق

تشریف لے جائیے خدا آپ کو دنیا میں شاد آباد رکھے مجھ بے چلنے کی ضرورت نہیں کبھی موقعہ ہوگا تو پھر حاضر خدمت ہوں گا"

اتنا کہہ کر سلیم بھاگا اور واقعی کوشش کی کہ افضال کی آنکھوں سے روپوش ہو جائے مگر افضال اب بیمار نہ تھا۔ اس نے سلیم کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا:۔

"ناممکن کو ممکن نہ کر! میں یہ جانتا ہوں کہ میں کسی طرح بھی تیرا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ مگر اب جان نکلے گی تو تیرے ہاتھوں میں اور تیرے قدموں پر"

سلیم مجبور ہوگیا اور ساتھ آیا۔ اتنے میں گاڑی آگئی تو افضال نے کہا "سلیم ناک پر ایسا کیا زخم لگا ہے کہ آج تک کپڑا اس پر سے نہیں اٹھا میں سب سے پہلے تم کو ڈاکٹر کے پاس لے چلتا ہوں"

سلیم نے اس بات کو باتوں میں ٹال دیا اور دونوں کوٹھی میں داخل ہوگئے۔

(۱۳)

آج حاجرؔنہ آفضال نے افضال حسین کو دولہن بنادیا۔ برآمدہ کا کوئی حصہ اور مٹی کا کوئی کنگرہ ایسا نہ تھا جہاں روشنی نہ جگمگا رہی ہو۔ برقی روشنی نے رات کو دن بنادیا تھا زنانہ اور مردانہ دونوں حصے شہر کے معززین مرد اور عورتوں سے کھچا کھچ بھرے ہوئے تھے بیلیں چڑھی ہوئی تھیں، خوشبوئیں مہک رہی تھیں اور عمارت منہ سے بول رہی تھی جس طرح مردانہ میں ایک طرف انگریزوں کا مجمع تھا اور دوسری طرف ہندوستانیوں کا اسی طرح زنانہ میں بھی افضال کی عورت دیکھ کر ہر متنفس متحیر تھا اور ہر طرف سے اس کے اوپر پھول برس رہے تھے، ابھی کھانا چُنا نہ گیا تھا کہ افضال اٹھا اس خاص مرصع تخت کے پاس آیا جو مردانہ اور زنانہ کمروں کے وسط میں تھا یہ تخت سرسبز بیلوں اور خوش رنگ پھولوں سے سجایا گیا تھا۔ سونے چاندی کی مرصع سلاخوں پر

دیبا و حریر کے پردے پڑے ہوئے تھے۔ افضال نے اپنے محسن سلیم سے جو ایک علیحدہ کمرہ میں خاموش بیٹھا تھا درخواست کی کہ وہ نہا دھو کر کپڑے بدلے اور اس تخت پر تشریف لائے۔

جب سلیم غسل کر چکا اور سنہری پردوں میں آ گیا تو افضال نے با آواز بلند کہا۔

"مجھ کو ڈاکٹر کی دوا سے شفا ہوئی نہ شفاخانہ کی آب و ہوا سے۔ میں وہ درسِ عبرت ہوں جس کے اس دورِ علالت کا ہر لمحہ آپ حضرات کے سامنے فلسفۂ زندگی کو حل کر رہا ہے۔ میں وہی شخص ہوں جو لاانتہا دولت کا مالک اور مجسٹریٹ۔ مگر جب دنیا یہ یقین کر چکی کہ میری ہوا لگنے سے انسان کوڑھی ہو گا تو ہر متنفس نے طوطے کی طرح دیدے بدل لئے نوکر چاکر الگ ہوئے عزیز و اقارب نے منہ پھیرا اور ملنے جلنے والوں نے اپنا راستہ لیا۔ میں وہ وقت ہرگز نہ بھولوں گا جب ہسپتال کا ٹوٹا ہوا پلنگ مجھے نصیب ہوا۔ یہ وہ ساعت تھی کہ میں ہر شخص کے آگے ہاتھ جوڑ رہا تھا۔ منت و خوشامد کرتا تھا مگر کوئی میری طرف آنکھ اٹھا کر نہ دیکھتا تھا۔ حد یہ ہے کہ ہسپتال کا ملازم بھی مجھ سے بھوت کی طرح بھاگتا تھا۔ میں نے مجبور و لاچار ہو کر حاسن ثنا افضال کو اس لئے کہ وہ زندگی کی شریک تھی خط لکھا اور اپنی حالت زار پر متوجہ کیا مگر اس نے مجھ کو بتا دیا کہ یہ تعلقات کیسے فانی ہوتے ہیں اور ان کا انحصار کس قدر نفس پروری پر ہے۔ مجھے یہ کہنے پر شرم نہ ہونی چاہیئے کہ وہ بی بی جو آج مجھ کو زندہ اور تندرست دیکھ کر باغ باغ ہو رہی ہے وہ میری موت کا یقین کرنے کے بعد اتنا رحم بھی نہ کر سکی کہ میرے قاصد کو چند چاندی کے سکے دے دیتی۔ وہ ہندوستان کی اعلیٰ تعلیم یافتہ جو یورپ کی بارہا سیر کر چکی ہے مجھ کو اتنا بھی مستحق نہ سمجھ سکی کہ کتے کی طرح اپنے دسترخوان سے جو حقیقتاً میرا ہی تھا دو نوالے بھیج دیتی۔

جب دنیا مجھ پر تنگ اور موت میرے سر پر کھیل رہی تھی اور زندگی مجھ کو تعلقات کے معنی بتا رہی تھی اس وقت میرے دل میں وہی جذبہ پیدا ہوا جو ہر اس شخص کے دل میں پیدا ہو گا

اور ہوتا ہے جس نے ایک مسلمان کے دودھ سے پرورش پائی۔ یعنی اس بے بسی اور بیکسی
کی حالت میں جب میرے کمرے میں انسان تو در کنار مجھے ایک ٹوٹا ہوا چراغ بھی اپنے
کمرہ کو روشن کرنے کے واسطے میسر نہ تھا میرا یہ اکڑا ہوا سر اور تنی ہوئی گردن خدائے بہتر و
برتر کی درگاہ میں جھکی ہیں وہی افضال ہو جس نے اسلام کی تضحیک میں کسر نہ کی علما کو ذلیل
سمجھنے میں کوئی دقیقہ باقی نہ چھوڑا مگر آج اس مجمع میں اقرار کرتا ہوں کہ لاریب وہ رحیم و کریم بندہ
کی پکار کو پہنچتا ہے اور اپنے تماشے اس طرح دکھاتا ہے کہ دنیا دنگ رہ جائے۔ ڈاکٹر میری
موت کی پیشینگوئی کر چکے تھے مجھ سے پوری طرح فرنٹ ہو گئی اور احباب مجھ سے کوسوں
دور بھاگ گئے۔ جب دنیا اپنی بیوفائی اور کج ادائی کا پورا ثبوت دے چکی۔ اس وقت
میری فریاد پر میرا خدا متوجہ ہوا اور ایک ایسا شخص جس کو میں انسان سے بہت اعلیٰ و ارفع
سمجھتا ہوں میری مدد کے واسطے بھیجا۔ یہ میری دوا کا لڑکا سلیم ہے۔ اور میرا منہ نہیں کہ اس کا
شکریہ ادا کر سکوں۔ یہ وہ لڑکا ہے جس نے اپنی راتوں کی میٹھی نیندیں اور اپنے دلوں کا
پیار اسکے مجھ پر قربان کیا۔ اپنا عیش و آرام حرام کیا اور مجھ کو موت کے منہ سے بچایا۔ اس نے مجھ
جیسے مریض سے جس کی ہوا لگنی زہر تھی لپٹ لپٹ کر رو رو کر اور بلبلا بلبلا کر ہمدردی کی۔
پہاڑ کی بوٹی اور چشمہ کا پانی لایا۔ لگائی اور پلایا۔ اس کا جسم چھلنی ہے۔ اس نے میرے واسطے
اولوں کی باڑ اپنے سر ہر لی اس کا سر لہولہان ہے۔ اس نے پہاڑوں کی ٹھوکریں کھائیں
اس کے پاؤں لہولہان ہیں۔ اس نے ایک رات محض میری صحت کے واسطے اس پہاڑ
پر گذاری جہاں دن کو بھی جاتے ہوئے انسان کا پتہ دہلتا ہے۔ میں قادر عزوجلال کا شکریہ ادا
کرنے کے بعد آپ حضرات کے سامنے اس محسن کے قدموں پر سر رکھتا ہوں اور بچہ ہی کہتا
ہوں کہ کسی طرح اس کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا میں اپنی مصیبت کو یاد کر کے روتا ہوں اور عقل کام

نہیں کرتی کہ کس طرح اور کس منہ سے اپنے آقا سلیم کا شکریہ ادا کروں! آپ خیال فرمایئے
کہ کیا نازک وقت ہوگا جب میرے زخم کیڑوں سے پٹ رہے تھے۔ میں ان کو چلتے پھرتے دیکھ
رہا ہوں مگر اتنی طاقت و ہمت نہیں کہ ان کو علیحدہ کر سکوں۔ انسان مجھ سے دور بھاگ رہا ہے۔
گوشت خور جانور میری موت کے متمنی ہیں۔ اس وقت جب میرا مکروہ جسم اس حالت میں گذر
رہا ہے میرا محسن سلیم میرے کیڑے چنتا ہے اور اپنی جان کو خطرہ میں ڈال کر اپنے پاکیزہ
جسم کو مجھے پاک کرنے کے لئے گندہ کرتا ہے!

آ میرے محسن میرے آقا باہر آ اور اپنی وہ متبرک صورت جو اس جہان میں اپنا جواب نہیں
رکھتی، دنیا کو دکھا اور بتا دے کہ انسانیت کیا چیز ہے"

اتنا کہہ کر افضال نے پردہ اٹھایا۔ اندر دیکھا۔ یہ کہہ کر ایک چیخ ماری۔

"ارے میری بیگم منور!!"

عورتیں اتنا سنتے ہی تخت پر ٹوٹ پڑیں اور منور سے لپٹنے لگیں افضال چاہتا تھا کہ منور
کے قدموں میں گرے منور نے اس کا سر پکڑا اور خود اس کے قدموں گری اور رو رو کر کہا:-

"سرکار میں لونڈی ہوں خدا را گنہگار نہ کیجئے۔ مرے ہوئے باپ دادا کا خون اب تک ان
رگوں میں دوڑ رہا ہے۔ انہیں پاک روحوں کی دعا کی برکت تھی کہ میں اس کوشش میں کامیاب
ہوئی۔ شکر گذار میں ہوں کہ آپ نے میری خدمت قبول فرمائی"

افضال اس کا کچھ جواب دینا چاہتا تھا مگر فرط مسرت سے ایک چیخ ماری اور بے ہوش
ہو کر گلے سے لگا کر گر پڑا اس لئے زنانہ جلسہ دوسرے روز کے واسطے ملتوی ہوا۔

(۱۴)

شہر میں ہی مچ گئی اور ہر شخص حیران اور بچہ بچہ کی زبان پر یہی چرچا تھا کہ منور جس کی قبر

اب تک اس کے جد امجد کا نشان دے رہی ہے کس طرح زندہ ہوگئی۔ رات بھر اور دن بھر گلی گلی اور کوچے کوچے جدھر دیکھو یہی ذکر تھا۔ جلسہ رات کا تھا مگر آدمیوں کی بے تابی کا یہ عالم تھا کہ مغرب سے پہلے ہی تل دھرنے کو جگہ نہ رہی اور گرد گرد کے بازاروں میں صحن کا انتظام کرنا پڑا۔ نماز عشا سے فراغت پا کر منورما اپنے تخت پر کھڑا ہونا چاہتی تھی کہ مردانہ میں ایک اور گل کھلا۔

بنک کے منیجر نے شفاخانہ کے ملازم کو افضال کے سامنے پیش کیا اور کہا "آپ کی بیماری کے زمانہ میں یہ شخص دس ہزار کا چیک لایا تھا جس کی ادائیگی سے میں نے جعلی سمجھ کر انکار کر دیا"۔ شفاخانہ کے ملازم نے دست بستہ معافی مانگی اور کہا "وہ بے وفا نمک حرام جو بھوت بن کر آپ کے سامنے آیا اور آپ کو دستخطوں پر مجبور کیا میں ہی ہوں اس کوشش میں یہ میرا ایک بھائی اور شریک تھا جو آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہے آج جب کہ آپ کو خدا نے یہ خوشی کی گھڑی دکھائی ہے ہمارا قصور معاف کیجئے"۔ افضال کے چہرے پر اس رات کا واقعہ یاد کر کے ہنسی آگئی۔ اور اس نے دونوں کو معاف کیا۔

یہ ہو چکا تو منورما نے زنانہ ہال میں اپنی تقریر اس طرح شروع کی :-

"میری عزیز بہنوں اور بھائیوں! میرے آقا اور مالک سید افضال نے جو الفاظ مجھ نافرمان گنہگار بیوی کے واسطے استعمال کئے اور جو درجہ مجھ کو عطا فرمایا۔ وہ ایسا ہے کہ اس پر میں ہی نہیں میرا تمام خاندان میرے زندہ عزیز اور متبرک روحیں ہمیشہ فخر کریں گی۔ گیارہ سال کا عرصہ ہوتا ہو کہ میں اس دنیا میں دلہن بنی۔ وداع کے وقت جب پالکی دروازہ پر آگئی

تو میری مرنے والی ماں نے مجھے گلے سے لگا کر ان الفاظ کے ساتھ رخصت کیا۔

مُنور! تم دلہن بنتی ہو مگر یہ خوشی کا وقت نہیں۔ ایک سخت امتحان کا وقت ہے۔ یہ وہ کسوٹی ہے جس پر تمہارے خاندانی جوہر کُھلیں گے۔ تمہارے ساتھ جو کچھ جہیز میں جا رہا ہے۔ یہ سب فانی چیزیں ہیں۔ رہیں یا جائیں گلیں یا سڑیں۔ مگر بیٹی ایک چیز کی احتیاط بہت زیادہ کرنی ہے۔ اور اتنی زیادہ کرنی ہے کہ خواہ جان نکل جائے۔ مگر اس پر حرف نہ آئے۔

پیاری منور! وہ جنتی باپ کا خون ہے اور یہ گوشت کا لوتھڑا جسے دُلہن بنا کر میں اس وقت وداع کر رہی ہوں میرے پاس مرنے والے شوہر کی امانت تھا جس کی شرافت کا دارو مدار آج تمہارے افعال پر ہے۔

منور! تم اس پھوپی کی بھتیجی ہو جس نے سوکن کا زہر شہد کے گھونٹ کی طرح پیا اور اُف نہ کی۔ اس کی قبر آج بھی کہ نصف صدی گذر گئی۔ دنیا کو بتا رہی ہے کہ ماں باپوں کی بیٹیاں کس طرح پروانوں کی مانند اپنی شمع پر جل بُھن کر راکھ ہو جاتی ہیں تمہارا فرض یہ اور صرف یہ ہے کہ تم اپنے محبوب شوہر افضال پر قربان ہو جاؤ یہی عورت کی زندگی کا عین مقصد ہے اور یہی شریف بیبیوں کا بہترین جوہر"

میں بدنصیب تھی کہ مجھ کو ماں کے سایہ سے جدا ہونے کے بعد ساس کا دامنِ شفقت نصیب نہ ہوا۔ سرکار انگریزی تعلیم کے دلدادہ تھے۔ آزادی کے شیدا بے باکی کے فریفتہ میں غریب، رپتّا مرا ہوا آنکھیں جُھکی ہوئی، اپنا فرض ادا نہ کر سکی۔ اور جو کچھ میرے آقا کی آنکھیں ڈھونڈتی تھیں باوجود

کوشش کے بھی پیدا نہ کرسکی۔ میں جاہل نہیں ہوں خدا کا شکر ہے اتنا پڑھی
لکھی ہوں کہ تم میں سے بہتر سے بہتر اور اعلیٰ سے اعلیٰ تعلیم یافتہ عورت بھی
اتنی ہی پڑھی لکھی ہوگی۔ میری تعلیم میں وہ چیز شامل تھی جس کا نام مذہب
ہے اور یہی وہ چیز تھی جس نے شرافت کا کوئی اُصول میرے ہاتھ سے نہ جانے
دیا۔ جب سرکار نے دوسرے نکاح کا قصد کیا تو اس صدا پر جس نے سب سے
پہلے لبیک کہی وہ میں ہی بدنصیب ہوں۔ میری عزیز بہنوں۔ شوہر والی بہنوں!
اپنے کلیجے پر ہاتھ رکھو اور ایمان سے بتاؤ کہ میں کس دل سے سوکن کے
استقبال کو تیار ہوئی ہوں گی۔ اور میں نے وہ لباس عروسی رات رات بھر
بیٹھ کر اپنی آنکھوں کا تیل نکال کر اور اپنی راتوں کی نیندیں مٹا کر ان ہاتھوں
سے کس طرح تیار کیا ہوگا۔ جو حاسد بہن بحیثیت ایک دلہن کے نہیں
میری سوکن کے زیب تن کئے ہوئے اس افضال مبین میں داخل ہوئیں!
بہنوں شوہر تم بھی رکھتی ہو عورت کے جذبات سے اچھی طرح آشنا ہو بتاؤ
وہ کیسی گھڑی ہوگی۔ جب ایک اجنبی عورت میری تمام توقعات کو پامال کرتی
ہوئی، میری مسرتوں کا خاتمہ کرتی ہوئی، میرے محبوب افضال کی مالک
بنی؟ میرا ہی دل جانتا ہے کہ مجھ پر کیا گذری اور کیا گذر رہی تھی مگر زندہ
ماں کے الفاظ اور مرے ہوئے باپ کی تصویر آنکھ کے سامنے تھی جس نے
دل کی گرتی ہوئی دیوار کو تھاما اور کانپتے ہوئے جگر کو تسکین دی۔ کیا تم
اندازہ کرسکتی ہو کہ میری وہ راتیں اور میرے وہ دن کیسے گذرے ہوں گے۔
جب میرا افضال دوسرے کی ملکیت بن کر میری آنکھ سے دور اور نگاہ سے

اوجھل ہو۔ دو چار دن نہیں۔ دو چار مہینے نہیں۔ تین سال اسی طرح بسر کیے ہیں کہ پندرہ پندرہ دن یہ کان افضال کی آواز کو ترسے اور یہ آنکھیں اس صورت کو تڑپیں یقین کیجئے جاڑوں کی پہاڑ سی راتیں دیواروں سے ٹکریں مار کر صبح کی ہیں۔ مگر خدا شاہد ہے کبھی تیوری پر بل نہ آنے دیا اور دل کی آگ کے شعلے زبان پر نہ آئے یہ وہ دور ہے کہ پیارا افضال اور محترمہ حامد ثلہ ایک خوشگوار زندگی بسر کر رہے ہیں۔ ان دونوں اللہ کے بندوں کو (خدا ان کی عمریں دراز کرے) کبھی بھول کر بھی خیال نہیں آیا کہ ایک بدبخت ایک ٹوٹے ہوئے کھنڈر میں ان کا نام جپنے والی اپنی زندگی کے دن پُر کر رہی ہے۔ میں انسان تھی بسا اوقات وسوسہ شیطانی میرے دل میں پیدا ہوتے جب افکار سے گھبرا جاتی تو قصد کرتی۔ کہ کہیں چلی جاؤں۔

ایک رات کا ذکر ہے کہ ان دونوں میاں بیوی کے متفقہ قہقہوں نے میرے خرمن صبر پر بجلی گرائی اور میں سر پر بھٹ قع ڈال کر باہر نکلی۔ میرا بدن کانپ رہا تھا، میرا دل لرز رہا تھا، باہر آئی اور جانے کا قصد مصمم تھا اور طبیعت بیزار ہو چکی تھی۔ چند ہی قدم چلی ہوں گی کہ زندہ ماں کا دودھ خون بن کر جسم میں دوڑنے لگا اور جنتی باپ کی صورت سامنے آئی جس نے دانتوں میں انگلی دے کر کہا۔

"منور دنیا کے نشیب و فراز یوں ہی ہوں گے! بیٹی ماں کے الفاظ یاد رکھ امتحان کا وقت ہے اس کسوٹی پہ کندن بن کر چمک اور پارس بن کر دمک"

اس متبرک صورت کا خیال پاؤں میں زنجیریں بن کر پڑ گیا صبر کے قدموں سے واپس ہوئی اور شکر کرتی ہوئی لیٹ گئی۔ حامد ثلہ بہن کے کوارٹر کا بڑا حصہ

یورپ میں گذرا وہ انگریزی معاشرت کی دلدادہ ہیں۔ سرکار بھی اسی رنگ میں رنگے گئے اور یہ افضال مبین اچھا خاصا ہائڈ پارک بن گیا جسے وہ دن اب تک یاد ہیں اور یاد رہیں گے۔ کہ دونوں وقت ملتے جب ایک مسلمان کا فرض ہے کہ وہ اپنے حقیقی مالک کے حضور میں جھکے۔ ہماری اس کوٹھی سے پیانو اور ہارمونیم کی صدائیں بلند ہوتیں۔ اس سرزمین نے جس پر آپ اور میں کھڑے ہیں، پر رسول سلام کا مضحکہ اڑایا ہے۔ احکام الہٰی ٹھکرائے ہیں اور خدا کی اس مقدس کتاب کی توہین کی ہے جس کے خیال سے مسلمانوں کے بدن میں رعشہ پڑتا ہے۔ میں آپ بیبیوں کو یقین دلاتی ہوں کہ میں گھنٹوں اسی ادھیڑبن میں رہی ہوں۔ کانپی ہوں اور روئی ہوں کہ کہیں خدا کا غضب افضال مبین پر نہ نازل ہو۔ اور پیارے افضال کو تباہ کر دے۔ علماء کے سوانگ یہاں بھرے گئے۔ اللہ والوں کے پرخچے یہاں اڑائے گئے۔ احکام کی ہجو یہاں کی گئی۔ اور گو زبان نہیں الٹتی مگر کہتی ہوں کہ تمام ممنوعات شرعیہ اس پر جائز سمجھی گئیں۔ شرابیں یہاں پی گئیں۔ ناچ یہاں ہوئے۔

المختصر یہ وہ جگہ ٹھیری جس کو خدا اور اس کے رسول سے کوئی واسطہ ہی نہ تھا۔ بالآخر وہ وقت بھی آیا کہ بہن حارثہ کی تحریک سے سرکار کی عنایت مجھ پر بھی ہوئی کہ میں قطعی پردہ ترک کر دوں اور مجلس رقص و سرود میں شریک ہو کر نامحرموں کے ساتھ شراب پیوں۔ میرے سامنے دونوں راستے کیسے ٹیڑھے کیسے خطرناک اور کس قدر زہریلے تھے اس کا فیصلہ آپ خود کیجیے۔ ایک طرف وادی پُرخار تھی اور دوسری طرف عمیق گڑھا۔ ایک طرف آگ کے شعلے تھے اور دوسری

طرف بحر ناپیدا کنار۔ میں حیران اور پریشان تھی کہ کیا کروں تعمیل کرتی ہوں تو خاندان کی لاج فنا ہوتی ہے اور نہیں کرتی تو شوہر کی ناراضی و ناخوشی کا بار گردن پر لیتی ہوں مجھ پہ جو کیفیت گذر رہی تھی اس کا اندازہ صرف میں ہی کر سکتی ہوں میں اس بھرے مجمع میں اقرار کرتی ہوں کہ میرا پاؤں ڈگمگا گیا میں شیطان کے بہکاوے میں آئی اور صرف شوہر کے ارشاد کی تعمیل میں غیر محرم آنکھوں کے سامنے جا بیٹھی۔ میرا دل اس وقت کیا کہہ رہا تھا اور مجھ پر کیا کیفیت طاری تھی۔ الفاظ نہیں کہ میں بیان کر سکوں۔ مرد مجھ کو گھور رہے تھے پیارا افضال اور محترمہ حارثہ مجھ پر ہنس رہے تھے اور میں زمین میں گڑی جاتی تھی۔ نوبت یہاں تک پہنچی کہ میرے عزیز شوہر نے جو میری جان اور میرے مال کا مالک تھا اپنے ہاتھ سے شراب کا گلاس بھر کر مجھے دیا میں آمادہ ہوئی اور پینے کا ارادہ کیا مگر اس زبردست طاقت کا شکریہ ادا نہیں کر سکتی جس کا نام خدا ہے جس نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے بتا دیا کہ زندگی چند روزہ ہے میں سنبھلی گلاس رکھدیا اور بھاگی اور مصمم قصد کر لیا کہ اب اپنی صورت افضال کو نہ دکھاؤں گی۔

میرے جانے کے بعد میری تلاش ہوئی اور کئی روز بعد ایک گلی سڑی لاش جنگل سے برآمد ہو کر میرے نام سے منسوب کی گئی، میں اس وقت آپ سب کے سامنے اپنے شوہر کی اس عنایت کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ مجھ جیتی جاگتی ہوی کی پختہ قبر بھی بنوادی گئی۔

میں اپنے میکے میں تھی اور اس لئے کہ افضال کی بات پر حرف نہ آئے کسی عزیز کے ٹکڑوں پر نہ تھی خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے اس ماں کو جس نے میری تعلیم میں دستکاری اور سوزن کاری وغیرہ کو لازمی سمجھ کر مجھ کو اس قابل بنا دیا

کہ آج بھی میں اپنے ہاتھ کی محنت سے اپنے جیسے پار نکار پیٹ بھر سکتی ہوں.
اپنی روٹی خود پیدا کرتی تھی اور دونوں وقت اپنا پیٹ بھر لیتی تھی مگر خدا بہتر جانتا
ہے کہ کوئی آفتاب میرے سر پر ایسا غروب نہ ہوا کہ میں افضال کی نا عاقبت
اندیشی کے خیال کو ساتھ لے کر نہ سوئی ہوں. میں ہر نماز کے بعد اس کی سلامتی کی
دعائیں مانگتی تھی اور گو مجھ کو اس کی بدولت یہ گھڑی بھی دیکھنی پڑی کہ غیر مردوں
نے مجھے گھور گھور کے دیکھا۔ پھر بھی میرے جذبۂ محبت میں فرق نہ آیا اور میں اس
کی اصلاح کی دعا گو رہی۔

میں نے جس وقت یہ سنا ہے کہ میرا پیارا افضال قہر خدا میں
گرفتار ہوا، افضال مشین کی اینٹ سے اینٹ بج گئی اور افضال
ایک ایسے شفا خانہ میں پھینک دیا گیا، جہاں جنگل نہ بیابان آدمی نہ آدم زاد میرے
بدن کے رونگٹے کھڑے ہو گئے. جب میں نے سنا کہ جس کے ایک اشارہ پر
بیسیوں ہاتھ آگے بڑھتے تھے اور جس کی ایک آواز پر بہت سی آوازیں بلند
ہو جاتی تھیں آج دنیا اس کا مرض متعدی سمجھ کر اس سے گھبرا رہی ہے ۔ مجھکو
سب سے بڑا تعجب اپنی عزیزہ بہن حارثہ پر ہوا میں سمجھ گئی کہ اگر حارثہ کی تعلیم میں
مذہب شامل ہوتا تو یہ نوبت نہ آتی ۔ اس وقت میرے دل نے صدا دی کہ
تمنو! ایک مسلمان عورت کی جنت شوہر کی خدمت میں ہے اور خاندانی شرافت
کے جوہر دکھانے کا یہی وقت ہے، میرا دل افضال کی حالت پر کٹ گیا۔
میری آنکھ سے آنسو جاری ہو گئے اور اس کی تنہائی بے بسی بے کسی کی تصویر
میری نظروں کے سامنے پھر گئی،

اب اس کے سوا چارہ نہ تھا کہ میں نے مردانہ بھیس بدلا۔ ناک پر چمڑا چڑھا کر اس پر کپڑے کا غلاف بدلا کہ صورت نہ پہچانی جائے۔ میں اس فتح میں ایک شکست کھا چکی ہوں اور اس نفع میں مجھے ایک نقصان بھی پہنچ چکا ہے یعنی وہ انگوٹھی جو میرے خسر نے مجھے رونمائی میں دی تھی۔ میرے پاس سے جاتی رہی اور وہ اس طرح کہ میں نے جس چیز کو اپنی جان کی طرح ہر وقت محفوظ رکھا وہ آفضال کی صحت پر قربان کر دی۔

میں مرد بن کر حکیم کے پاس پہنچی اور اس سے کہا کہ تم وہ کوڑھ کا نسخہ جو تمام ہندوستان میں مشہور ہے مجھکو بتا دو۔ طبیب راضی نہ ہوتا تھا وہ انگوٹھی دیکھ کر جس میں لعل جھمک رہا تھا۔ اس کی آنکھیں چوندھیا گئیں۔ اس نے مجھے پہاڑ کی بوٹی بتا دی اور میں کھانے پینے کا سامان اور دوسری ضروری چیزیں لے کر ہسپتال روانہ ہوئی۔

میں کس طرح کہوں اور کیونکر کہوں کہ میرا دل اس وقت کس قسم کی مسرتوں سے لبریز تھا، جب میرا یہ فانی جسم افضال کی خدمت کر رہا تھا۔ میں کہنا نہیں چاہتی مگر اس لئے کہ میرے سامنے بہت سی کنواری لڑکیاں بیٹھی ہیں کہتی ہوں کہ میری عمر کا ایک دن اور ایک رات ایسے گذرے ہیں جن پر نہ صرف میری آیندہ نسلیں بلکہ تمام فرقہ نسواں فخر کرے گا۔

میرا دن وہ دن ہے جب میں اپنے شوہر کے واسطے پانی بھرنے کے لئے چشمہ میں کودی، اولے میرے سر پر پڑ رہے تھے، بارش ہو رہی تھی، اور میں چشمہ میں ڈوب رہی تھی، پانی کے مٹکے

نے مجھ کو بچایا اور کنارے لگایا۔ لیکن ایک لکڑی کی کھڑبنج کا زخم
جو چار انگل سے زیادہ تھا اور آج تک نہیں بھرا ایسا لگا کہ اس
وقت بھی میں خون میں تر بتر ہوں!

میری رات وہ رات ہے جب بوٹی کی تلاش میں پہاڑ سے
پھسلی ہوں اور ساری رات اس پہاڑ پر جہاں جنگلی جانور دہاڑ رہے
تھے گذاری۔ مگر اس حالت میں بھی افضال کی سلامتی کی دعائیں
مانگتی رہی!"

اتنا کہہ کر منوہر اپنے شوہر کے قدموں میں گری اور کہا۔

"میرے آقا! مجھے محسن نہ فرمائیے۔ میں ایک ادنیٰ کنیز ہوں
اور میرے مذہبِ مقدس نے آپ کو میرا مالک بنایا۔ میرا ایمان یہ تھا
کہ میں آپ پر قربان ہو جاتی لیکن لاکھ لاکھ احسان ہے اس قادرِ مطلق
کا جس نے آپ کی جان بچائی۔"

افضال نے منوہر کا سر اپنے ہاتھ میں لیا اور صرف اتنا کہا۔

"منوہر! تو بیوی نہیں فرشتۂ رحمت ہے! قربان جائیے
اس مذہب اور بانیٔ مذہب کے جو ایسی بیویاں پیدا کرے۔"

پہلی بار دسمبر ۲۶ء　　چھٹی بار اکتوبر ۱۹۳۶ء